سلسلۂ تبلیغ جماعت اہلِ سنت

الحمد للہ القدیر کہ دریں زمان فرح نو

کتابِ لاجواب

مُعَلّم تقریر

یعنی

نئی تقریریں

Mohammad Sajid Siddiqui

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

فاروقیہ بُک ڈپو

۴۲۲ مٹیا محل، جامع مسجد دہلی ۶

سلسلہ تبلیغ جماعت اہلسنت

الحمد للہ القدیر کہ دریں زمان فرح نو

کتاب لاجواب

مُعلّم تقریر

Mohammad Sajid Siddiqui

یعنی

نئی تقریریں

تصنیف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

Price:-50

فاروقیہ بک ڈپو مٹیا محل جامع مسجد دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : معلم تقریر
تصنیف : حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
کمپوزنگ : محمد قمر عالم رضوی مصباحی
پروف ریڈنگ : مولانا محمد ہارون رشید اشرفی
ناشر : فاروقیہ بک ڈپو
اشاعت : مئی ۲۰۱۰ء

فاروقیہ بک ڈپو

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	حقیقی کامیابی کیا ہے؟	۴
۲	مسلمانوں کے ہلاکت سے بچنے کا علاج۔	۱۶
۳	کفار نے زمین و آسمان میں کیا کیا دیکھا تھا۔ جو ان کی پوجا کرتے تھے۔	۲۶
۴	حقانیتِ اسلام وقرآن وصاحبِ قرآن کے بیان میں۔	۳۶
۵	مسلمانوں کے آپس میں مشورہ کے فضائل وفوائد کے بیان میں۔	۴۱
۶	پرہیزگاری اور اچھی محبت کے بیان میں۔	۵۵
۷	اُمتی آپس میں بھائی بھائی ہیں۔	۶۵
۸	عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کی تفسیر یعنی انسان کو بیان کس طرح سے سکھایا گیا۔	۷۷
۹	مقربِ بارگاہِ الٰہی اور درگاہِ الٰہی سے جو دور ہیں۔ اُن کا بیان۔	۹۱
۱۰	معراج کا بیان۔	۱۰۳
۱۱	خدا تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہوتے ہو۔ اور تمہارے اعمال دیکھتا ہے۔	۱۱۴
		۱۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی

اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ایسی ہے جس کی دنیا عاشق ہے مومن، کافر، شاہ و گدا، بچہ، بوڑھا، امیر و غریب، عورت، مرد غرض کوئی انسان ایسا نہیں جس کو اس کی تلاش نہ ہو، اس نعمت کا نام ہے کامیابی۔

تجارتیں، سلطنت کی لڑائیاں، بچوں کی تعلیم و تربیت، سارے کاروبار اسی کامیابی کی دھن میں ہو رہے ہیں۔ سلاطین اسی کامیابی کی خاطر آج لاکھوں مہلک ہتھیار بنا رہے ہیں۔ آئیٹم بم، ہائیڈروجن بم، اسی معشوق کی تلاش میں تیار ہوئے ہیں۔ غرض ایک کامیابی کی خاطر انسان لاکھوں کا خون بہا دیتا ہے۔ اور اسی کی جستجو میں عمر صرف کر دیتا ہے۔

لیکن اس کامیابی کے مفہوم کو سمجھنے میں انسان کا بڑا اختلاف ہے۔ کسی کے نزدیک مالدار ہونا کامیابی ہے۔ کسی کی سمجھ میں تخت و تاج کا مالک ہونا ہی کامیابی ہے۔ کوئی خیال کر رہا ہے کہ بڑے عہدے پر پہنچ جانا ہی کامیابی ہے۔ مگر یہ سب غلطی پر ہیں۔

کامیابی وہ ہے جسے رب تعالیٰ کامیاب فرما دے۔ اگر مالدار ہونا کامیابی ہوتی تو قارون بڑا کامیاب ہوتا کہ وہ مال دار تھا۔ اگر تخت و تاج کا مالک ہونا کامیابی ہوتی تو نمرود کو بڑا کامیاب ہونا چاہیے تھا کہ وہ تمام دنیا کا بادشاہ تھا۔ اگر بڑے عہدے والا ہونا کامیابی ہوتی تو یزید بڑا کامیاب ہوتا کہ وہ خلافت کا عہدے دار بن بیٹھا۔ حالانکہ صدیوں سے ان سب پر مشرق و مغرب میں لعنت ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کامیابی کوئی اور ہی

چیز ہے۔ اس آیت میں اسی کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ کامیابی کیا ہے؟

ارشاد باری ہے کہ کامیاب وہ ہے۔ جو تین صفات اپنے میں پیدا کرے۔

(۱) دل کی صفائی (۲) نماز کی پابندی (۳) اور اپنے پیارے رب کا نام جپنا۔ کیوں کہ وہ فرضی کامیابیاں عارضی اور فانی ہیں۔ اور یہ کامیابی اصلی اور باقی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ہم اپنے رب کے فضل سے ان تینوں پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ حق تعالیٰ قبول فرمائے اور توفیق عمل بخشے۔

دل کی صفائی

اس کے متعلق دو چیزیں عرض کرنی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی ضرورت کیوں ہے؟ دوسرے یہ کہ یہ کیسے حاصل ہوتی ہے؟

قلب سارے قالب کا بادشاہ ہے۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو سارے قالب سے اچھے کام ہوں گے اور اگر یہ بگڑ گیا تو قالب بگڑ گیا۔ یوں سمجھو کہ قلب کی زندگی قالب کی زندگی ہے۔ اور قلب کی موت قالب کی موت ہے۔

زندگی زندہ دِلی کا نام ہے

مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

قلب کی صفائی اس کی زندگی ہے۔ اور قلب کی گندگی اس کی موت یوں سمجھو کہ زندگی اور گندگی جمع نہیں ہوتیں۔ پاک دل والا بعد موت بھی زندہ ہے: بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ مسلمان بعد شہادت زندہ ہے۔ کیوں کہ وہ پاک قلب والا ہے۔ اور گندے دل والا اپنی زندگی میں بھی مردہ ہے۔ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ زندہ کافر مردے ہیں، زندہ نہیں اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى آپ ان مردہ دل کافروں کو کلام ربانی نہیں سنا سکتے۔

مثال سمجھو۔ کہ چھوٹے بچے تختی لکھتے ہیں تو جب تک پچھلے نقش پانی سے نہ دھولیں

دوسرے نقش اس پر نہیں لکھ سکتے۔ دل بھی ایک تختی ہے جب تک اس کو حرص و ہوس، فسق و فجور اور دنیاوی وسواس سے نہ دھولیا جائے۔ تب تک اس پر ایمان و تقویٰ، محبت اور عشق الٰہی کے نقش قائم نہیں ہو سکتے۔ غرض کہ طغیان اور عرفان جمع نہیں ہوتے۔

پھر بچے تختی کو پانی سے دھوتے ہیں۔ کھریا مٹی سے سفید کرتے ہیں۔ دھوپ سے سکھاتے ہیں۔ پھر ہاتھ سے صاف کرتے ہیں۔ تب وہ دوسری تحریر کے قابل ہوتی ہے۔ اسی طرح اس دل کی تختی کو آنکھوں کے آنسو سے دھوؤ۔ اور عبادات کی کھریا سے سفید کرو پھر عشق کی دھوپ میں سکھاؤ۔ پھر کسی کامل ہاتھ سے صاف کرو۔ تب یار کے جلوے نظر آئیں گے اور اس پر نہ مٹنے والا رنگ چڑھے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ ما یاری کند

میل ما را جانب زاری کند

زور را بگذار زاری را ہ گیر

رحم سوئے زاری آید اے فقیر

جس پر خدا کی رحمت ہوتی ہے اسے عشق خدا میں رونے کی توفیق ملتی ہے۔ اس بارگاہ میں زور نہیں چلتا زاری کام آتی ہے۔ پانی نیچے کو جاتا ہے اوپر نہیں چڑھتا۔ اسی لئے پست زمین میں تالاب ہوتا ہے نہ کہ پہاڑ کی چوٹی یا درختوں کی شاخوں میں۔ تم بھی پست زمین بنو۔

گندے دل کی صفائی دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔ عبادت و ریاضت اور کسی اہل نظر کی نظر۔

عبادت سے آہستہ آہستہ مگر کامل کی نگاہ سے دفعۃً دل صاف ہو جاتا ہے۔ گندی زمین دو چیزوں سے پاک ہوتی ہے۔ پانی سے دھونا اور آفتاب کی نورانی کرنوں کا اس پر پڑنا کہ یہ سورج ایک دم گندی زمین کو خشک کر کے صاف کرتا ہے۔ اسی طرح ہمارا دل یا عبادت

کے پانی سے پاک ہوگا یا مدینہ کے سورج کی نورانی نظر سے، پھر یہ نہ سمجھو کہ وہ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کے ہرے گنبد میں رہتے ہوئے ہم دور افتادگان کو کیسے پاک فرمائیں گے۔ جب آسمان کا مٹنے والا سورج چوتھے آسمان پر ہوتے ہوئے اتنی نیچی زمین کو پاک کر دیتا ہے۔ تو کیا دین وایمان کا وہ سچا اور ابد قرار عرب کا سورج، عجم کا چاند، اللہ کا پیارا، مجھ جیسے ٹوٹے دلوں کا سہارا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اتنے تھوڑے فاصلہ سے ہمیں پاک نہیں کر سکتے؟ ہاں ضرور کر سکتے ہیں۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

اسی لئے انھیں قرآن کریم نے سراج منیر یعنی چمکانے والا سورج فرمایا اور بتایا۔ قَدْجَاءَ کُم مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ۔

آؤ ہم بتائیں کہ اللہ والوں کی نظر سے دل کی کایا ایک دم کیسے پلٹتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آنے والے ستر ہزار جادوگر جب مقابلہ میں آئے۔ تو کافر بھی تھے۔ فاسق بھی، گنہگار اور بدکار بھی، غرض بے شمار بُرائیوں کا مجموعہ تھے۔ مگر میدان مقابلہ میں آکر انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کا یہ ادب کیا کہ ان سے اجازت لے کر جادو چلایا۔ عرض کیا۔ اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّکُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ یہ ادب بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوا۔ اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر کی برکت سے اولاً مومن بنے۔ پھر صحابی رسول، پھر صابر، پھر شہید غرض کہ ان لوگوں نے ایک دن میں چار پلٹے کھائے۔ یہ ہے: قَدْاَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی اور یہ ہے نگاہِ کرم۔

حکایت: مثنوی شریف میں ہے کہ حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانہ میں بسطام شریف میں ایک حسینہ رنڈی آگئی۔ جس کے حُسن میں سارا شہر گرفتار ہوگیا۔ لوگ فسق وفجور میں پھنس گئے۔ لوگوں نے سلطان العارفین کی

خدمت میں عرض کیا کہ آپ کا زمانہ ہو اور لوگ ایسی معصیت میں مبتلا ہو جائیں جائے تعجب ہے۔ فرمایا ماجرا کیا ہے؟ لوگوں نے اس رنڈی کا حال بیان کیا۔ فرمایا چلو ہم اس رنڈی کے گھر چلیں۔ اس کے دروازے پر مصلیٰ بچھا کر نماز شروع کر دی۔ رات تک نماز میں نوافل پڑھتے رہے۔ اس درمیان میں جو کوئی رنڈی سے ملنے آیا حضرت کو دیکھ کر لوٹ گیا۔

رات گئے آپ نے رنڈی سے پوچھا کہ مائی! تیری روز کی آمدنی کتنی ہے؟ اس نے بتائی۔ وہ رقم بھی اپنی گرہ سے اسے عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ چونکہ ہم نے تیری پوری فیس ادا کر دی اب تیری یہ رات ہماری ہو گئی۔ اس نے عرض کیا، کہ بیشک!

فرمایا اب جو ہم کہیں وہ کر۔ اس نے کہا: بہت اچھا۔ فرمایا وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کر اس نے تعمیل ارشاد کی۔ جب قیام و رکوع کر کے اس نے سجدے میں سر رکھا کہ سلطان نے بارگاہِ رب العالمین میں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے۔ اور یوں عرض کیا۔

آنچہ کارم بود آخر کردمش

کہ از زنا سوئے نماز آوردمش

مولیٰ مجھ کمزور ضعیف بندے کا اتنا ہی کام تھا کہ اس فاسقہ کو زنا سے روک کر تیری بارگاہ میں جھکا دیا اب اگلا کام تیرا ہے۔ کہ تو اس جھکے سر کو قبول کرے یا مردود۔

پھر عرض کیا۔ کہ مولیٰ اگر تو نے اسے مردود کر کے نکال دیا۔ اور کل یہ پھر فاسقہ ہی رہی تو میری بڑی بدنامی ہو گی۔ مجھے اس کے دروازے پر عام مخلوق نے دیکھا ہے۔ فرمانے لگے۔

بردست آوردہ ام من اے خدا

قَلِّبْهَا قلب بطفیل مصطفیٰ

یہ نہ دیکھ کہ آنے والی کون ہے مولیٰ یہ دیکھ کہ لانے والا کون ہے۔ میں تیرا گناہگار بندہ اسے لایا ہوں۔ اب اس سنہری جالیوں والے ہرے گنبد کے مکین، محمد امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ سے اس کے دل کا رخ پھیر دے کہ اس کا دل مدینہ پاک کی طرف متوجہ

ہو جائے۔ یہ دُعا کرنی تھی کہ وہ فاسقہ عارفہ بن گئی۔

دُوسرے دن جب اس کے عاشق اس سے ملنے آئے، تو بولی کہ اب میں تمہارے کام کی نہیں۔ جن آنکھوں نے بایزید بسطامی کا جمال دیکھ لیا وہ اور کسی کو کیا دیکھے۔

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں

کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوہ تیرا

یہ ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔

خیال رہے کہ دل کی صفائی تین طرح کی ہے۔ ایک شرک وکفر سے صفائی، جو کلمہ طیبہ کے ذریعہ ہر مسلمان کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ ہر عبادت کے لئے ایسی ہی ضروری ہے جیسے نماز کے لئے وضو۔ دُوسرے گناہ، ریا، حسد سے صفائی یہ عبادات سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور نگاہِ ولی سے بھی، تیسرے غیر خُدا سے صفائی۔ کہ دل سے اغیار خارج ہو جائیں اور دل تجلی گاہِ یار بن جائے۔ یہ درجہ محض اولیاء اللہ کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ آیت کریمہ تینوں صفائیوں کا ذکر فرما رہی ہے۔ جس دل میں ایسی صفائی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر وہ دنیا کے رنج و غم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ تمام تفکرات دل کے نیچے رہتے ہیں۔ دل کے اندر نہیں آتے کیوں کہ دل کے اندر تو ان کی جگہ ہی نہ رہی۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است

آب اندر زیر کشتی پستی است

کشتی کے نیچے دریا کا پانی رہے تو فائدہ مند ہے۔ کشتی کے اندر آ جائے تو ہلاک کر دے گا۔ دل کشتی ہے اور دُنیا دریا یا دل کعبہ ہے اور دنیا بُت، جیسے کعبہ معظمہ تین سو سال تک بُت خانہ بنا رہا پھر پیارے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں وہ بُت خانہ سے خدا خانہ بنا۔ اَیسے ہی دل بُت خانہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر سے یہ خدا خانہ بن سکتا ہے۔

کھول دو سینہ مرا فاتح مکہ آ کر

کعبۂ دل سے صنم کھینچ کے کر دو باہر

کوشش کرو۔ کہ سینہ کینہ سے پاک ہو کر مدینہ بن جائے۔ تاکہ اس پر سکینہ نازل ہو۔

بنا دو میرے سینہ کو مدینہ

نکالو بحرِ غم سے یہ سفینہ

یہ تو مَنْ تَزَکّٰی کا مختصر طریقہ بیان سے ہوا۔ دُوسری چیز یہ ہے: وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ رب کی یاد، جو دنیا میں اسے یاد کرتا رہا شاد رہا جو غافل ہوا برباد ہو گیا۔ اس کی یاد آبادی ہے اور غفلت بربادی ۔

آباد وہی دل ہے جس میں تمہاری یاد ہے

جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

اللہ کا ذکر ایسا ہونا چاہیے کہ دل میں اس کا خیال ہو، سر میں اس کا دھیان رہے، زبان پر اس کا چرچا ہو۔ آنکھوں میں اس کا جلوہ ہو، کانوں میں اس کے کلام کے نغمے ہوں۔ ہاتھ پاؤں پر اس کی اطاعت ہو۔ غرض انسان اس میں ایسا گھر جائے جیسے پانی میں مچھلی، مولانا روم مجنوں کا ایک قصہ نقل فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ۔

دید مجنوں را کسے صحرا نورد!

در بیابانِ جنوں بنشستہ فرد

کسی مسافر نے مجنوں کو جنگل میں اکیلا بیٹھا دیکھا قریب گیا تو معلوم ہوا کہ کچھ شغل بھی کر رہا ہے۔

ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم

می نمودے نامہ بہر کس رقم

ریت کو کاغذ بنایا ہوا ہے اور اپنی انگلیوں سے قلم کا کام لے رہا ہے۔ یعنی انگلیوں سے ریت پر کچھ لکھ رہا ہے۔ تعجب کرتے ہوئے پوچھا۔

گفت اے مجنونِ شیدا چیست ایں
می نویسی نامہ بہر کیست ایں

پوچھا اے مجنوں! یہ انوکھا خط کسے لکھ رہے ہو؟ اسے کون قاصد لے کر جائیگا؟ اور کون پڑھے گا؟ ایسے انوکھے خط کا قاصد بھی نرالا ہی ہونا چاہیے، جواب دیا۔

گفت مشق نام لیلیٰ می کنم
خاطر خود را تسلی می دہم

کہا تم اپنے خیال میں ہو اور میں اپنے خیال میں، میں تو اپنی محبوبہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں دل کو تسلی دے رہا ہوں چاہتا ہوں کہ تاحد نظر میدان میں ہر طرف لیلیٰ ہی کا نام ہو اور بیچ میں یہ عاشق زار ہو کہ تسلی خاطر حاصل ہو۔

معلوم ہوا کہ پیارے کے ذکر سے دل کو تسلی ہوتی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب ، خیال رہے کہ اگر ہمیں رب تعالیٰ سے محبت ہے تو اس کے ذکر سے بھی الفت ہوگی غرض کہ جس چیز کو رب سے نسبت ہوگی وہ ہی ہماری پیاری ہوگی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گفت معشوقے بعاشق اے فتیٰ
تو بغربت دیدۂ بس شہرہا

کسی معشوق نے اپنے عاشق سے پوچھا کہ تو نے ملک کی سیر کی ہے خاک چھانی ہے۔

پس کدامی شہر زانہا خوشتر است
گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است

یہ تو بتا ان سب میں کون سی اچھی بستی ہے؟ وہ بولا کہ وہ بستی جہاں اپنا دلبر ہو۔ اگر دلبر قبرستان میں بیٹھ جائے تو وہ آباد شہر ہے۔ اگر شہر سے چلا جائے تو وہ قبرستان ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است
اے خوشا شہرے کہ آنجا دلبر است

مدینہ کی خاک دونوں جہاں سے اعلیٰ۔ کیوں کہ یہ بستی خواب گاہ محبوب رب العالمین ہے۔ اس لئے یہاں فرمایا: وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ

خیال رہے کہ رب تعالیٰ کے ذکر کی تین صورتیں ہیں۔ اس کی ذات وصفات کا ذکر یہ بھی اس کا ذکر ہے۔ اس کے پیاروں کی مدح خوانی، یہ بھی اسی کا ذکر ہے۔ اس کے دشمن کی ہجو یہ بھی اسی کا ذکر ہے پورا قرآن اللہ کا ذکر ہے۔ مگر اس میں یہ سب چیزیں موجود ہیں۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ بھی خدا کا ذکر ہے۔ اور تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ بھی۔ اور سورۂ فتح کی آخری آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بھی اسی کا ذکر ہے۔

یہ بھی یاد رکھو۔ کہ ذکر لسانی، ذکر جنانی، سب اللہ کا ذکر ہیں۔ ان سب میں قوی ذکر جنانی ہے۔ ذکر دل کا ذکر جسے صوفیائے کرام فکر کہتے ہیں۔ فِكْرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ ذِكْرِ اَلْفِ سَنَةٍ۔ یعنی ایک ساعت کی فکر ہزار برس کے ذکر سے افضل ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں فکر کی بہت تاکید فرمائی۔ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ۔

تیسری چیز ہے۔ فَصَلّٰى یعنی نماز اگرچہ نماز بھی ذکر کی قسم ہے مگر اس کے اشرف واعلیٰ ہونے کی وجہ سے اس کا علیحدہ ذکر فرمایا۔ نماز وہ اعلیٰ چیز ہے کہ حق تعالیٰ نے تمام احکام بذریعہ جبریل امین زمین پر ہی بھیجے۔ مگر نماز حضور علیہ السلام کو عرش پر بلا کر بذریعہ واسطہ عطا فرمائی۔

خیال رہے کہ نماز پڑھ لینا کمال نہیں بلکہ نماز کا قائم کرنا کمال ہے اسی لئے قرآن کریم نے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فرمایا۔ ہمیشہ پڑھنا ظاہری باطنی شرطیں پوری کر کے ادا کرنا، نماز کی فکر رکھنا یہ قائم کرنا ہے۔ یہ ہی اسی جگہ مراد ہے۔

اگر نماز کو درست کر کے پڑھیں تو انشاء اللہ نماز بھی ہمیں درست کردے گی۔ رب تعالیٰ

فرماتا ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ۔

خیال رہے۔ کہ نماز باقی دیگر عبادات، روزے وزکوٰۃ وغیرہ سے افضل ہے۔ کیوں کہ وہ عبادات ہیں اور نماز ہے، رب کا نام، یعنی ہمارے کام سے اس کا نام افضل ہے اسی لئے قیامت کے دن گناہوں کے دفتروں سے کلمہ طیبہ وزنی ہوگا۔ کیوں کہ نام الٰہی بڑی اعلیٰ نعمت ہے ہمارے برے کام سے اس کا نام وزنی ہے۔

نماز پنجگانہ دراصل سلطانی درگاہ میں فقراء کی حاضری ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر اگر کوبی درے
لاجرم بینی کہ بر آید سرے
گر نشینی بر سرِ کوئے کسے
زود بینی عاقبت روئے کسے

اگر کسی کا دروازہ بجائے جاؤ تو کوئی نہ کوئی گھر میں سے پوچھنے ضرور آئے گا۔ اگر کسی گلی میں بیٹھ جاؤ تو آتے جاتے اس کی ملاقات ضرور ہو جائے گی۔

بندے کو چاہیے کہ رب کا دروازہ بجائے جا کبھی سنے گا ہی۔ اور اگر وہ پیارا کبھی توجہ کرم نہ بھی کرے تو اس پر صابر و شاکر رہو۔ عشاق تو محبوب کی بے پرواہی پر قربان ہوتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ناخوشی و خوشی بود در جانِ من
جان فدائے یار دل رنجانِ من
عاشقم بر رنج خویش و دود و خویش
بہر خوشنودی شاہ فرد خویش

دل دکھانے والے یار پر میری جان نثار ہو۔ اس کی بھیجی ہوئی خوشی میرے لئے صدہا خوشیوں کا باعث ہے۔ میں تو اپنے رنج وغم پر عاشق ہوں تا کہ یار راضی رہے۔ جنہوں نے رب کی رضا کے لئے مصیبتوں پر صبر کیا ہے۔ انھیں رب تعالیٰ نے دنیا میں بھی عزت وآبرو

اور مصیبت سے نجات بخشی۔ اور آخرت میں جو رتبہ دے گا وہ ہمارے خیال سے باہر ہیں۔ اور رب تعالیٰ کی طرف سے اگرچہ پہلے بے پروائی ہوتی ہے۔ لیکن جب بندہ اس پر صابر و شاکر رہے تو بڑی جزا بخشتا ہے۔

حکایت: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرصہ تک امیہ بن خلف کے ہاتھوں بے شمار مصیبتیں اٹھاتے رہے۔ مگر بجز صبر و شکر کچھ نہ کہا۔ ایک مرتبہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس گلی سے گزرے جہاں امیہ کا گھر تھا۔ آپ نے حضرت بلال کا حال زار دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں یوں عرض کیا۔

بعد ازاں صدیق پیش مصطفےٰ
گفت حال آں بلال با وفا
پیش مشرق چار مے کند
تن برہنہ شاخ خارش می زند
از تپش صد جا خوں بر می جہد
او احد می گوید و سر می نہد

یارسول اللہ میں نے بلال کو دیکھا ہے کہ امیہ انھیں تپتی دھوپ میں گرم ریت پر گرا کے لٹاتا ہے۔ پھر کانٹوں والی شاخ سے مارتا ہے۔ جسم ننگا کر کے کانٹوں کی مار لگاتا ہے۔ جس سے ان کے جسم شریف پر سینکڑوں زخم ہو جاتے ہیں اور ان سب سے خون بہتا ہے۔

سرکار نے حکم دیا کہ بلال کو خرید لو۔ آپ خرید کر بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوئے تو

چوں بدید آں خستہ روئے مصطفیٰ
خر مغشیا علیہ برقفا
مصطفیٰ از خود کنارے می کشید
کس نداند نشئے را رسید

حضرت بلال نے جو چہرہ انور دیکھا۔ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ملاحظہ فرما کر خود اٹھ کر انھیں اپنی گود میں اٹھالیا۔ سینہ سے لگایا۔ نہ معلوم اس صحبت نبی کریم نے، داتا نے، سچے پیغمبر نے کیا دیا۔ اور باوفا غلام نے کیا لیا۔ یہ تو دینے والا جانے، یا لینے والا۔ اس کے بعد۔

مصطفیٰ گفتش کہ اے اقبال جو
در خریدن مے شوم ہمراہ تو
گفت مادو بندگان کوئے تو
کردمش آزاد ہم برروئے تو

حضور نے فرمایا کہ ابو بکر صدیق اس خرید میں ہمیں بھی اپنا ساتھی بنالو۔ ہم بھی تمہارے ساتھ بلال کے خریدار ہیں جتنی قیمت تم دے کر لائے ہو اس کا نصف ہم سے بھی لے لو۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضور میں کس کا؟ اور میرا مال کس کا؟ میں بھی حضور کا غلام، یہ بلال بھی حضور کا غلام، غلام نے غلام کو خریدا ہے۔ سرکار گواہ رہیں میں انھیں آپ کے روبرو آزاد کرتا ہوں۔

غرض کہ حضرت بلال کا یہ واقعہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی کی زندہ جاوید تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مقبولوں کے طفیل ہمیں بھی تزکیہ عطا فرما۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ
مِنَّا قُوَّةً اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ
مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ

اس آیت کریمہ میں رب العالمین نے قوم عاد کی ہلاکت اور اس کے اسباب کا ذکر فرمایا ہے۔ تاکہ مسلمان ان اسباب سے پرہیز کریں جن سے قوم عاد کی ہلاکت ہوئی تھی۔ اس آیت میں قوم عاد کی ہلاکت کے تین اسباب کا ذکر ہے۔

(۱) تکبر (۲) شیخی مارنا (۳) نبی کا انکار

اس میں ان ہی تین چیزوں کا ذکر ہوا۔ رب تعالیٰ ہر مسلمان کو ان سے بچنے کی توفیق دے۔ پہلے یہ عرض کروں کہ قوم عاد کون تھی۔

خیال رہے کہ قوم عاد ابن ارم ابن سام ابن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔ یہ مقام احقاف میں آباد تھی۔ جو یمن کے قریب ہے۔ یہ بہت قد آور شہ زور لوگ تھے۔ چنانچہ ان کا پست قد آدمی ۶۰ گز کا اور درمیانی قد کا آدمی ۱۰۰ گز کا ہوتا تھا۔

ان کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے: كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ شہ زوری کا یہ عالم تھا کہ ان کا معمولی آدمی پہاڑ کی بڑی بڑی چٹانیں اٹھالیتا تھا۔ بڑے کاریگر بڑے مالدار لوگ تھے۔ (روح البیان)

ان کی ہنر مندی، شہ زوری کا تذکرہ قرآن کریم نے جگہ جگہ بیان کیا ہے۔ ان میں حضرت ہود علیہ السلام تبلیغ کے لئے بھیجے گئے۔ مگر انھوں نے ان کی مخالفت کی۔ اور ہوا سے ہلاک کر دیئے گئے۔ چونکہ یہ لوگ متکبر تھے اس لئے رب تعالیٰ نے انھیں نہایت ہلکی اور معمولی چیز یعنی ہوا سے ہلاک کیا۔

تاکہ معلوم ہو جائے کہ رب تعالیٰ ابابیل سے فیل اور مچھر سے نمرود کو ہلاک فرما سکتا ہے۔

چونکہ اس قوم میں تین عیب تھے۔ جن کا اس آیت میں ذکر ہے لہٰذا یہ تین چیزیں ہی بیان کرتا ہوں۔

تکبر یہ لفظ کبر سے بنا ہے۔ بمعنی بڑائی۔ اس کے معنی ہیں اپنے کو بڑا سمجھنا یہ عیب تمام عیبوں کی جڑ ہے۔ تکبر ہی کی وجہ سے کفر، گناہ، جنگ، جدال، جھگڑے ہوتے ہیں۔ اگر انسان میں تواضع اور انکساری ہو، تو نہ اس کی کسی سے جنگ ہو، نہ جھگڑا۔ سب کو شیطان نے گمراہ کیا مگر شیطان کو تکبر نے ہلاک کر دیا۔ اسے اپنے ناری ہونے اور اپنی عبادات پر غرور ہوا، اور مارا گیا۔

خیال رہے کہ تکبر دو قسم کا ہے: (۱) صحیح۔ (۲) غلط۔

اگر کوئی واقعی کسی سے بڑا ہے اور اپنے کو بڑا سمجھے تو یہ تکبر صحیح ہے اور جو واقعی میں بڑا نہ ہو اور پھر اپنے کو بڑا جانے تو یہ تکبر غلط ہے۔ صحیح تکبر کبھی فرض ہوتا ہے کبھی جائز۔ اور غلط تکبر کبھی حرام ہے کبھی کفر۔ جب غازی کفار کے مقابلے میں کھڑا ہو تو اسے ذلیل جانے اور اپنے کو اچھا یہ عین ضروری ہے ورنہ جہاد نہیں کر سکتا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب میدان جہاد میں جاتے۔ تو فرماتے اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَ اے بے ایمان میں وہ ہوں کہ میرا نام میری ماں نے حیدر کرار رکھا ہے۔ یعنی پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والا شیر۔ حیدر بمعنی شیر اور کرار بمعنی بار بار پلٹ کر حملہ کرنے والا۔

اور جب محراب مسجد میں تشریف لاتے تو روتے ہوئے عرض کرتے۔

اِلٰھِیْ عَبْدُکَ الْعَاصِیْ اَتَاکَ!

مُقِرًّا بِالذُّنُوْبِ وَقَدْ دَعَاکَ

اے اللہ تیرا گنہگار بندہ حاضر بارگاہ ہے اپنے گناہوں کا اقراری ہے اور تیری بارگاہ میں توبہ کر رہا ہے۔ اسی لئے شاعر نے کہا ہے ۔

هُوَ الْبَكَّاءُ فِى الْمِحْرَابِ لَيْلاً

هُوَ الضَّحَّاكُ فِى يَوْمِ الطِّرَابِ

یعنی علی شیر خدا کی شان یہ ہے کہ وہ مسجد کے نمازی ہیں میدان کے غازی، تخت پر قاضی ہیں۔

اسی طرح خود سرکار ابد قرار حضور تاجدار کونین محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ حنین میں فرمایا۔

انا النبیُّ لا کذب

انا ابن عبد المطلب

میں جھوٹا نبی نہیں ہوں میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔ غرض کہ کافر کے مقابلہ میں مسلمان کا تکبر عبادت ہے کہ یہ درحقیقت شجاعت کی اصل ہے۔ اور دین اسلام کی برتری کا ذریعہ ہے۔ اور اگر کوئی بڑا آدمی اپنی بڑائی جان کر چھوٹوں کو کچھ حکم دے تو یہ تکبر جائز ہے۔ جیسے بادشاہ رعایا پر، استاد شاگردوں پر، پیر مریدوں پر جو برتری ظاہر کرے وہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں اپنی شیخی نہ ہو۔ رب تعالیٰ کے کرم کا اظہار ہو۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ انا سید ولد ادم و لا فخر یعنی میں ساری اولادِ آدم کا سردار ہوں مگر یہ فخریہ نہیں فرما رہا ہوں۔ یہ دونوں تکبر منع نہیں ہیں۔

رہے برے تکبر، ان کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ انسان اپنے برابر والوں کو اپنے سے حقیر جانے اور خود کو بڑا سمجھے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اپنے بڑوں کو چھوٹا سمجھے، اپنے کو بڑا۔ اگر چہ یہ دونوں تکبر برے

ہیں مگر دوسرا تکبر پہلے سے زیادہ برا۔

پھر تکبر کی دو صورتیں ہیں۔ اگر انسان دنیاوی معاملات میں غرور کرے تو گنہگار ہے۔ لیکن اگر دینی معاملات میں غرور کرے کہ جاہل آدمی علماء کو، مشائخ کو یا پیغمبر کو حقیر سمجھے، تو وہ کافر ہے۔

اس آیت میں یہ ہی تکبر مراد ہے کہ قوم عاد نے اپنے پیغمبر کو حقیر جانا۔ اور عذاب الٰہی آ گیا۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ ہر تکبر برا نہیں۔ بعض اچھے ہیں اور بعض برے۔ اسی لئے رب تعالیٰ کی صفت بھی متکبر ہے۔ وہ اس کا کمال ہے۔ ہم تکبر کریں تو کبھی یہ گناہ ہے۔

نوٹ ضروری: دنیا میں سب سے افضل پیغمبر ہیں۔ اور پیغمبروں کی جماعت میں سب کے شہنشاہ حضور سید عالم شاہ عرب و عجم حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ پیغمبر کا اپنی امت کے جان و مال پر وہ اختیار ہوتا ہے، جو نہ بادشاہ کو رعایا پر ہے، نہ مالک کو مملوک پر، حضور علیہ السلام ہماری جانوں کے، بدن کے، مال کے، گھر بار کے، اولاد کے، ازواج کے مالک مطلق ہیں۔ اگر حضور ہماری بیوی کو ہم پر حرام فرما دیں تو وہ واقعی حرام ہوگئی۔ اگر ہم کو ہمارے مال و جائیداد سے محروم کر دیں تو واقعی ہم فقیر ہو گئے۔

دیکھو! حضرت کعب ابن مالک کی بیوی عتاب کے زمانہ میں ان پر حرام کی گئیں۔ حالانکہ وہ ان کی بیوی تھی۔ حضرت زینب بنت جحش کو ان سے بغیر اذن لئے ہوئے حضرت زید ابن حارثہ کے نکاح میں دے دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی موجودگی میں دوسرا نکاح حرام قرار دے دیا۔ بہر حال حضور علیہ السلام ہماری ازواج، اجسام اور اموال کے مالک مطلق ہیں۔ وہاں ہماری مرضی کو کچھ دخل نہیں ۔

اگر شہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پروین

جب معمولی حق رکھنے والے بادشاہ پر فقیر نہیں تکبر کرسکتا تو امتی پیغمبر پر کس منہ سے برتری کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ اسی لئے قوم عاد ہلاک کردی گئی۔

یہ بھی خیال رہے کہ بادشاہ اور فقیر عالم ارواح، پیدائش اور پرورش وغیرہ میں بالکل یکساں ہیں۔ زندگی میں صرف یہ فرق ہوگیا کہ بادشاہ تخت وتاج کا مالک بن بیٹھا۔ پھر موت میں دونوں برابر۔ اور قیامت کے دن ممکن ہے کہ فقیر بادشاہ سے بڑھ جائے۔

جب اس قدر برابریاں ہوتے ہوئے فقیر بادشاہ کی ہمسری کا دم نہیں بھر سکتا تو وہ شہنشاہِ کونین جو عالم ارواح، پیدائش پاک، زندگی، وفات، قبر وحشر ہر جگہ سب سے اعلیٰ و بالا ہوں ان سے ہمسری کا دعویٰ عین بے ایمانی ہے۔ پیغمبر ہر جگہ فیض دیتے ہیں۔ امتی ہر جگہ فیض لیتے ہیں۔ عالم ارواح میں پیغمبروں کی روحیں نورانی تھیں۔ امتی کی روح بے نور تھیں۔ پہلی میثاق کے دن نبی نے بَلٰی کہا۔ ان سے سن کر امتی نے۔

ہم لوگ جاہل، بے عقل، اور روتے ہوئے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ حضرات پیدائش پاک کے وقت عارف باللہ، مکمل عقل والے اور سجدہ کرتے پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی اپنی نبوت، رب کی وحدانیت اور نماز وغیرہ کا اعلان فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کرکے امت کی شفاعت کی دعائیں کیں۔ زندگی پاک میں انہیں معراج ملی۔ ان کا راج بحر وبر، حجر وشجر، دشت وجبل پر رہا۔ ذرہ ذرہ نے حضور علیہ السلام کا کلمہ پڑھا۔ وفات کے بعد ان کے نام پر ہمارا خاتمہ ہو تو بیڑا پار ہو۔ غرض ہر جگہ فرق عظیم ہے۔ پھر ان پر شیخی مارنی حماقت ہے ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

تکبر کے اسباب

غرور دو طرح کا ہے۔ ایک اصلی، ایک عارضی، عارضی غرور تو متکبرین کی صحبت سے پیدا ہوا

ہے۔ اصل غرور ماں باپ کی میراث سے ملتا ہے۔ اگر خاندان بے ادب، گستاخ ہے تو اولاد با ادب نہیں ہو سکتی۔ ماں باپ بے حیا ہیں تو اولاد میں حیا کہاں سے آئے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

بے ادب ماں با ادب اولاد جن سکتی نہیں
معدنِ زر معدنِ فولاد بن سکتی نہیں

دوسری جگہ مسلمان عورتوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

چو زہرا باش از مخلوق رو پوش
کہ در آغوش شبیرے بہ بینی

اے مسلمان خاتون! تو حضرت زہرا کی طرح گھر میں رہ، باہر آوارہ نہ پھر، تاکہ تیری گود میں امام حسین رضی اللہ عنہ جیسے بچے پرورش پاویں۔

مسلمان عورت صرف نمازی بننے کے لئے نہیں بلکہ غازی جننے کے لئے ہے۔ وہ شمع محفل نہیں۔ بلکہ چراغ خانہ ہونی چاہئے۔ ایسی متکبر اور آوارہ بے ادب ماؤں کی اولاد یقیناً بے ادب ہوگی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے اپنی قوم کے بارے میں عرض کیا۔ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا اے مولیٰ یہ بے ایمان کفار ہی جنیں گے۔

تکبر کا علاج

غرور کو مٹانے والی حقیقتاً صرف ایک چیز ہے۔ وہ نگاہِ پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ کہ اس سے قلب ایسا صاف ہوتا ہے کہ جیسا کہ سورج سے گندی زمین یہ سورج تو زمین میں دن نکال دیتا ہے مگر حضور علیہ السلام کی توجہ دلوں میں صبح نمودار کر دیتی ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

اے رُخِ صبح تو اعصا رود ہور
چشم تو بینندۂ مَا فِی الصُّدُوْر

سورج تو زمین میں اور رخِ انور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زمانہ میں دن بناتا ہے۔ اوروں کی نگاہ ظاہر کو دیکھتی ہے۔ مگر ان کی نگاہ دل کے اندر کے حالات مشاہدہ فرماتی ہے۔ درود شریف کی کثرت، اچھوں کی صحبت حضور علیہ السلام سے تعلق پیدا کرے گی۔ اور یہ تعلق ہی دل میں ایمان کی شمع روشن کرے گا۔

جس برخوردار کی پیداوار سینما میں ہو اور پرورش گندے لوگوں میں اس سے ادب کی اُمید رکھنا فضول ہے۔

تکبر کے نقصان، ادب کے فائدے

بے ادبی اور تکبر سے عمر بھر کی عبادتیں برباد ہو جاتی ہیں۔

ادب کی برکت سے عمر بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ دیکھو شیطان لاکھوں سال کا عابد تھا۔ مگر آدم علیہ السلام کی ایک بے ادبی سے سب کچھ برباد ہو گیا۔

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

اور فرعون کے جادوگروں سے میدانی مقابلہ میں ایک ادب یہ ہو گیا۔ کہ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اجازت لے کر جادو کیا۔ اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ یہ ادب رب تعالیٰ کو پسند آیا۔ تو انھیں آن کی آن میں مومن، صحابی، صابر اور شہید بنا دیا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ یعنی جادوگر سجدے میں ڈال دیئے گئے وہ خود نہ گرے۔ بلکہ انھیں ہم نے سجدہ میں گرایا ان کا سر ہماری توفیق کے قبضہ میں تھا۔ اس لئے وَقَعُوا نہ فرمایا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش خود ہمہ آفاق زد
ہر چہ آید بر تو از ظلمات و غم
ایں ز بے ادبی و گستاخی ست ہم

حکایت: ایک بزرگ کسی شیخ سے بیعت ہونے کے لئے گئے شیخ نے فرمایا کہ پہلے چالیس دن اس جگہ بیٹھ کر چلّہ کرو۔ جو تم سے بدتر ہو۔ اس نے سوچا کہ سب سے بدتر تو میں ہی ہوں اب چلہ کہاں کروں۔ آخر فیصلہ کیا کہ کھدی مجھ سے بدتر ہے کہ وہاں شہر بھر کی گندگی جمع ہوتی ہے۔ اور وہاں نماز وغیرہ بھی نہیں ہوتی وہاں جا کر بیٹھا۔ کھدی میں سے قدرتی آواز آئی حضرت میں تو عمدہ غذا اور پھل فروٹ تھا صرف چند گھنٹے آپ کے معدہ میں رہا آپ کی فیض صحبت سے ایسا راندہ ہوا کہ یہاں ڈال دیا گیا۔ اب جو مجھ پر کرم فرمانے تشریف لائے ہو کیا مجھے دوزخ میں پہنچاؤ گے؟

یہ سن کر یہ شخص رو پڑا اور شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ سب سے بدتر تو میں ہوں۔ اب چلہ کہاں کروں؟ فرمایا آؤ مرید ہو جاؤ۔ بس یہ ہی سمجھانا مقصود تھا۔

نہ تھی اپنے جو عیبوں کی ہم کو خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

اپنے کو عاجز اور کمزور جاننا یہ ہی تصوف کی اصل ہے۔ اور رحمت الٰہی کا باعث ،قوم عاد کا دوسرا عیب شیخی تھا۔ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً

شیخی اپنے کو بڑا سمجھنا تکبر ہے اور اپنے کو بڑا کہنا شیخی ہے۔ تکبر دل کا کام ہے اور شیخی زبان کا، تکبر جڑ ہے اور شیخی اس کی شاخ، یہ بھی

بدترین عیب ہے۔ شیخی والا نہ خدا کو پہچان سکے نہ رسول کو، اور نہ کسی سے فیض لے سکے۔ کیوں کہ انسان کی صفات معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اپنی کمزوری سے رب تعالیٰ کی قوت، اپنی گنہگاری سے اس کی غفاری، اپنی سیاہ کاری سے اس کی ستاری اپنی فنا سے اس کی بقا اپنی محتاجی سے اس کی غنا اپنی فقیری سے اس کا حاجت روا ہونا، پہچانو۔ اگر دنیا فقیروں سے خالی ہو جائے۔ تو امیروں کی قدر جاتی رہے۔ غرض کہ رب کی معرفت اپنی بے بضاعتی کے پہچاننے پر موقوف ہے۔ اب جو خود اپنے کو غنی، قوی اور باقی سمجھنے لگے۔ اسے رب تعالیٰ کی معرفت کیوں کر حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے قوم عاد شیخی کے جرم میں ہلاک ہوگئی۔

خیال رہے۔ کہ جیسے اپنی کمتری کے بغیر جانے رب تعالیٰ کی برتری معلوم نہیں ہو سکتی۔ ایسے ہی اپنی کمتری سے حضور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان کا پتہ لگتا ہے۔ شیطان نے شیخی ماری آدم علیہ السلام کو نہ پہچان سکا۔ منافقین وکفار نے شیخی ماری تو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معرفت سے محروم رہے۔ جیسے جالا، دھند، موتیا آنکھ کی بیماریاں ہیں۔ جن سے آنکھ صحیح کام نہیں کرتی۔ ایسے ہی شیخی دل کا وہ مرض ہے جس سے معرفت میں فرق آجاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

اشقیا را دیدۂ بینا نہ بود
نیک و بد در چشم شاں یکساں نمود

اسی لئے بڑے اولیاء اللہ بھی اس بارگاہ میں ڈرتے اپنے گناہوں کا دم بھرتے آتے ہیں۔ خواجہ خواجگان شاہ بہاء الحق نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وصیت فرمائی کہ میری میت کے آگے یہ شعر پڑھا جائے۔ اور دفن کرتے وقت بھی اسی شعر کی تکرار رہے۔

مفلسانم آمدہ در کوئے تو

شَیْئًا لِلّٰہِ از جمالِ روئے تو

رب تعالیٰ فرماتا ہے لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ اس بیماری کا علاج یہ ہے کہ انسان اپنے سے بڑوں کی صحبت اختیار کرے تاکہ اپنی پستی محسوس ہو۔ اور دینی معاملات میں اپنے سے اعلیٰ لوگوں کے حالات کا مطالعہ کرے تاکہ پتہ لگے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ قبرستان جا کر غور کرے۔ کہ بڑے بڑے متکبرین یہاں عاجز ہو کر پڑے ہیں۔ یہی حال میرا بھی ہونا ہے۔

وماعلینا الا البلاغ

☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِىْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ

ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں اور آخرت میں تمہارے لئے ہر وہ چیز ہوگی جو تمہارے دل چاہیں اور جس کی تم آرزو کرو۔ مہمانی ہوگی غفور رحیم کی طرف سے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ کے پیارے بندوں کے مراتب و درجات اور ان کی کامیابیوں کا ذکر ہے۔ اس آیت میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ملائکہ کا کلام ہو جیسا کہ اس سے پچھلی آیت میں تھا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خود رب تعالیٰ کا فرمان ہو۔ اور اولیاء ولی کی جمع ہے۔ ولی کے معنی ہیں قریب دوست، مددگار، اس لحاظ سے اس آیت شریفہ کی چھ تفسیریں ہوں گی۔ اور ہر تفسیر پر علیحدہ علیحدہ احکام مستنبط ہوں گے۔

تفسیر اول: یہ ہے کہ جو لوگ دین پر استقامت کریں۔ ان سے فرشتے کہتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم گھبرانا مت، ہم دنیا و آخرت میں تم سے ہر وقت قریب ہیں۔ یہاں نَحْنُ اس لئے فرمایا ہے کہ اس سے مراد سارے فرشتے ہیں۔ خواہ مقربین ہوں یا مدبرات امر، اور خواہ عرش کے رہنے والے ہوں یا دیگر آسمانوں کے یا زمین کے۔ اب مقصد یہ ہوا کہ یہ نہ سمجھو کہ تم فرش پر، اور فرشتے عرش پر یا سدرہ پر، اگر تم دین پر قائم رہے، تو یہ ساری نوری جماعت تم سے ہر وقت بہت قریب ہے۔ کیوں کہ دوری اس خاکی جسم کے لئے ہے۔ نوریوں کے لئے قرب و بعد سب برابر ہے۔ وہ ہر وقت آن کی آن میں تمہارے پاس پہنچ کر تمہاری دستگیری کر سکتے ہیں۔

ایک بار حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل سے دریافت فرمایا کہ تمہاری رفتار کیسی ہے؟ عرض کیا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا تو انھیں آدھے کنوئیں میں لٹکا کر رسی چھوڑ دی۔ جب یوسف علیہ السلام نصف کنوئیں سے تہ کی طرف چلے تو میں سدرہ سے کنوئیں کی طرف چلا۔ اور ان سے پہلے پہنچ کر ان کو اپنے پروں میں لے لیا تا کہ انھیں چوٹ نہ آوے۔

اسی طرح حضرت اسماعیل کے حلق پر چھری رکھی گئی تو میں سدرہ سے اس قدر جلد آیا کہ چھری چلنے سے پہلے وہاں پہنچ گیا۔ اور اس ننھے سے حلق پر اپنا پر بچھا کر انھیں ذبح سے بچا لیا۔

اسی طرح جب جنگ احد میں دندان مبارک پر پتھر لگا تو خون کا قطرہ مبارک منہ سے زمین پر چلا، اور میں سدرہ سے فرش پر روانہ ہوا۔ قطرے کے زمین پر پہنچنے سے پہلے میں وہاں پہنچ گیا۔ اس لئے فرمایا گیا کہ ہم تم سے قریب ہیں۔

فائدہ: اس تفسیر سے فائدہ یہ حاصل ہوا کہ نوری کے لئے قریب و بعید یکساں ہے۔ دیکھو آصف ابن برخیا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیض صحبت سے کچھ نورانیت حاصل کر لی تھی۔ تو آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو یمن سے شام میں لے آئے۔ حضرت ملک الموت آن کی آن میں ہر جگہ مرنے والوں کی جان قبض کر لیتے ہیں۔ نکیرین بیک وقت ہزارہا جگہ قبر میں سوالات کر لیتے ہیں۔

جب ان نوری حضرات کی یہ رفتار ہو تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جنھیں رب تعالیٰ نے نور فرمایا: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ اگر آن واحد میں اپنی ساری امت کی مدد فرمانے کے لئے ان کے پاس پہنچ جائیں تو کیا قباحت ہے؟ معراج کی رات براق کا ایک قدم تا حد نظر تھا۔ غرض کہ اس تفسیر سے مسئلہ حاضر و ناظر حل ہو گیا۔

تفسیر دوم: یہ ہے کہ اے مستقل مزاج مسلمانو! گھبرانا مت، ہم تمام فرشتے

دنیاوآخرت میں تمہارے مددگار ہیں۔ مومن کے لئے فرشتوں کی مدد کے چند مواقع خاص ہوتے ہیں۔ دل کی گھبراہٹ دور ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ غار ثور میں جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفار کو غار کے سر پر کھڑا دیکھ کر گھبرائے تو رب تعالیٰ نے اُن پر سکینہ اُتارا۔ جس کا ذکر اس آیت میں ہے: فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا خاص مصیبتوں میں فرشتے امداد کرتے ہیں۔ جیسا کہ جنگ بدر میں پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لئے حاضر ہوئے۔ جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔

اسی طرح ہر آفت کے وقت فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لئے نازل ہوتے ہیں۔ مرتے وقت کہ اچھی شکل میں آکر یوں کہتے ہیں يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً اے نیک جان چل اپنے رب کی طرف! کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ ایسے ہی قبر میں، حشر اور جنت کے دروازے پر اور خود جنت میں ہر جگہ فرشتے مومن کی مدد کریں گے جیسا کہ قرآنی آیتوں اور احادیث سے ثابت ہے۔ حتیٰ کہ فرشتے مسلمانوں کی شفاعت بھی کریں گے۔ اور جو مسلمان گنہگار کچھ روز کے لئے دوزخ میں جائیں گے ان پر وہ سختی نہ کریں گے۔ جو کفار پر کریں گے۔

فائدہ: اس تفسیر سے دو فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ غیر خدا کی امداد برحق ہے۔ اور اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے خلاف نہیں۔ اس پر قرآن شریف کی بہت سی آیات اور احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ رب تعالیٰ کے سارے کام فرشتے ہی انجام دیتے ہیں۔ بعض فرشتے بارش برساتے ہیں۔ بعض رحم میں بچے بناتے ہیں۔ بعض جان نکالتے ہیں۔ بعض قبر میں حساب لیتے ہیں۔ بعض عذاب لاتے ہیں۔ ان کی علیحدہ جماعتیں ہیں۔ اور ہر ایک جماعت کے علیحدہ کام۔ یہ رب تعالیٰ کی مدد کے مظہر ہیں۔ جب فرشتے مدد کر سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے، انبیاء، اولیاء، جو فرشتوں سے افضل ہیں۔ ضرور مدد کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں مقبولانِ الٰہی سے مدد مانگنا جائز ہے۔

دوسرا فائدہ: یہ حاصل ہوا۔ کہ فرشتوں کے ذریعہ گھبرایا ہوا دل چین میں آجاتا ہے۔ بے قرار کو قرار دینے کے لئے فرشتے اترتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کے پیارے بندوں سے قرار آتا ہے۔ بلکہ بزرگوں کے تبرکات بھی قراروں کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ دیکھو جب بنی اسرائیل طالوت کے ساتھ جالوت سے جنگ کرنے چلے تو ان کے سکون دل کے لئے تابوت سکینہ بھیجا گیا۔ جس میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات اور دیگر پیغمبروں کی تصویریں تھیں۔ خود فرماتا ہے: فِيْهِ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ۔ الایۃ

حضرت خالد بن ولید جنگ کے وقت اپنی ٹوپی میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بال شریف رکھتے تھے۔ جس سے فتح پاتے تھے۔ لہٰذا اگر میت کے ساتھ بزرگوں کے تبرکات قبر میں رکھ دیے جائیں تاکہ قبر میں اس کے دل کو چین رہے تو جائز ہے۔

حضرت عمرو بن عاص اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے کفن میں حضور علیہ السلام کے ناخن اور بال شریف رکھ دیے جائیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کفن میں اپنا تہبند شریف رکھوایا۔

تیسری تفسیر: یہ ہے کہ اے مسلمانو! تمہارے ایمان اور استقلال کی وجہ سے تمہارے عزیز و اہل قرابت اگر تمہارے دشمن ہو گئے۔ اور سارا جہان تمہارے خلاف ہو گیا تو یہ پرواہ نہ کرو۔ ہم تمام فرشتے دنیا و آخرت میں تمہارے گہرے دوست ہیں۔ انسانوں کی دوستی ناکافی ہے کیوں کہ وہ فانی ہیں۔ لیکن ہماری دوستی باقی انسانوں کی دوستی بیکار ہے کہ نہ قبر میں کام آوے، نہ حشر میں، نہ کسی خاص مصیبت میں۔ مگر ہماری دوستی فائدہ مند ہے کہ ہر جگہ کام آوے گی۔ اگر فانی اور بے کار دوستی کے عوض تمہیں ہماری نافع اور دائمی دوستی مل گئی تو تم اس سودے میں گھاٹے میں نہ رہے۔

اس تفسیر کی شرح وہ حدیث ہے جس میں فرمایا گیا کہ جب رب تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبرئیل سے فرماتا ہے کہ تم بھی اس سے محبت کرو۔ حضرت جبرائیل خود بھی محبت کرتے ہیں اور تمام آسمانوں میں اعلان فرمادیتے ہیں کہ فلاں بندے سے رب محبت فرماتا ہے سارے آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین والوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ جس سے مخلوق کے دل خود بخود اس کی طرف کھچے لگتے ہیں۔ اسی طرح آیت کریمہ میں اشارہ ہے: سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا یعنی رب تعالیٰ ان کی محبت دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

دیکھو بعض اولیاء اللہ جیسے حضور خواجہ اجمیری یا سرکار بغداد یا خواجہ نقشبند قدس سرہم کو لوگوں نے اگر چہ ان حضرات کی زیارت نہ کی مگر خود بخود لوگ ان کی طرف کھنچ رہے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ نا سمجھ مخلوق بھی اللہ کے پیاروں سے محبت کرتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فراق میں لکڑیاں روتی ہیں۔ کنکروں نے کلمہ پڑھا ہے۔ جانوروں نے سجدہ کیا۔ مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک ذرہ ذرہ، پتہ پتہ اس سے محبت کرتا ہے۔ اور قیامت میں اس کے ایمان کی گواہی دیں گے۔

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہیں کیا لوح و قلم تیرے ہیں

فائدہ: اس تفسیر کا فائدہ یہ ہے کہ ایمان والوں کی دوستی و محبت ولی اللہ ہونے کی علامت ہے۔ جسے مسلمان ولی اللہ جانیں وہ واقعی اللہ کا ولی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ بلکہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ بھی اچھا ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا: مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ جس چیز کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

یہ تینوں تفسیریں اس صورت میں تھیں جب کہ یہ فرشتوں کا کلام ہو۔ لیکن یہ رب تعالیٰ کا اپنا فرمان ہو تب بھی یہ ہی تین تفسیریں ہوں گی۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو! تم دین پر استقامت اختیار کرو کسی کے بہکانے سے بہک نہ جاؤ۔ کیوں کہ تمہارے حقیقی دوست صرف ہم ہی ہیں باقی سب جھوٹے دوست ہیں جھوٹے یاروں کی خاطر اپنے سچے محبوب کو ناراض نہ کرو۔

خیال رہے کہ دنیا والوں کی دوستی خود غرضی پر ہے۔ اور رب تعالیٰ کی دوستی بلا غرض، کیوں کہ دنیا میں سب سے بڑی دوست ماں ہے۔ مگر اُسے بھی اولاد سے بہت سی تمنائیں ہوتی ہی کہ میرے بڑھاپے کا سہارا ہو۔ بے کسی میں کام آوے۔ اسی لئے ماں باپ لڑکا پیدا ہونے پر خوش ہوتے ہیں۔ اور لڑکی کی پیدائش پر غمگین کیوں کہ لڑکے سے لینے کی امید ہے اور لڑکی کو دینے کی۔ ماں باپ مالدار بیٹے کی قدر کرتے ہیں اور غریب فرزند کی ناقدری۔ جب ماں کی محبت غرض سے خالی نہیں تو دیگر دوستوں کا کیا پوچھنا ہے۔ ہاں رب تعالیٰ کی محبت ایسی ہے کہ ہر جگہ ہم کو پالتا ہے مگر بغیر کسی غرض کے۔ لہٰذا اس کی دوستی سچی ہے باقی جھوٹی۔

یہاں یہ بھی خیال رہے کہ دنیاوی مال عطا فرمانا رب تعالیٰ کی دوستی کی علامت نہیں۔ بلکہ اس کی ربوبیت کا ظہور ہے۔ اسی لئے مال کفار اور بدکاروں کو بھی مل جاتا ہے۔ رب تعالیٰ کی دوستی کی علامت ایمان، عرفان توفیق خیر کی عطا ہے۔ اور چونکہ اس کی دوستی بندوں کے ساتھ یکساں نہیں۔ کسی کو صرف ایمان دیا، کسی کو عرفان بھی دیا۔ کسی کو اپنا قرب دیا۔ کسی کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ پھر یہ کہ وہ انبیاء میں کوئی خلیل ہے، کوئی کلیم اور کوئی سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔ غرض کہ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ میں بڑی وسعت ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ یہاں نَحْنُ اور اَوْلِیَآءُ جمع لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہم اور ہمارے سارے نبی اور ہمارے سارے نیک بندے تمہارے دوست ہیں۔ یا ہم اپنی

ذات اور ساری کرم کی صفات کے ساتھ تمہارے دوست ہیں۔ اور جب ہم دوست بن گئے تو کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کرسکتا۔

یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اے مسلمانو! ہم تم سے بہت قریب ہیں اس صورت میں قرب سے مراد مکانی قرب نہ ہوگا بلکہ رحمت اور کرم کا قرب ہوگا۔ یعنی اگر تم استقامت اختیار کرو تو ہمارا کرم ہماری رحمت تم سے ہر جگہ قریب ہے۔ اس کی تفسیر یہ آیت کر رہی ہے: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔

کفار سے عذاب الٰہی قریب ہے۔ رحمت الٰہی دور۔ اسی لئے ارشاد ہوا: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ جب میرے بندے آپ سے مجھے دریافت کریں تو میں قریب ہوں۔ یعنی آپ کے درباری آکر مجھے تلاش کریں تو میں اُن سے قریب ہوں۔ مجھے جلد پالیں گے بلکہ میں خود ان سے ملوں گا۔ لیکن آپ کے دربار سے دور رہ کر خواہ مسجدوں میں یا خانہ کعبہ میں یا اور جگہ مجھے ڈھونڈیں تب تو میں ان سے دور ہی ہوں۔

چوتھی تفسیر: یہ ہے کہ اے مسلمانو! دنیا و آخرت میں تمہارے مددگار ہم ہی ہیں۔ کسی میں طاقت نہیں کہ ہماری رضا کے بغیر تمہاری امداد کرے۔ حقیقی حاجت روا ہم ہی ہیں۔ اگر کوئی امداد کرتا ہے تو ہمارے ارادے سے کرتا ہے۔ ہم دلواتے ہیں تو کوئی دیتا ہے۔ ہم کھلواتے ہیں تو کوئی کھلاتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں تو کوئی تمہیں چاہتا ہے۔

نہ کس می دہاند نہ کس می دہد
خدا ے دہاند خدا ے دہد

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ یہاں لَكُمْ میں لام ملکیت کا ہے یعنی جنت میں تم ہر اس چیز کے دائمی مالک ہوگے جو تم چاہو۔ بخلاف دنیا کے یہاں بہت سی باتیں تمہاری خواہش کے خلاف بھی ہوتی ہیں۔ اور یہاں کی چیزیں تمہاری دائمی ملک نہیں۔ بلکہ ان سے کچھ دن نفع اٹھا لو پھر چھوڑ کر چل دو۔ فرماتا ہے: قُلْ مَتَاعُ

الدُّنْیَا قَلِیْلٌ دنیا کو متاع فرمایا۔ متاع وہ ہے جس سے نفع اٹھا کر چھوڑ دیا جائے۔ اور ساتھ ہی قلیل بھی فرما کر اس کی اور بھی تحقیر فرمادی۔

خیال رہے کہ رب تعالیٰ اگر چہ مسلمانوں کا دنیا و آخرت ہر جگہ دوست ہے۔ مگر دنیا میں ان کی ہر خواہش پوری نہیں فرماتا اور آخرت میں ہر تمنا ہر آرزو پوری فرمائے گا بلکہ آرزو سے بڑھ کر دے گا۔

اس کی تین وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ رب تعالیٰ مسلمانوں کا دوست ہے۔ اور مسلمان رب تعالیٰ کے دوست، تو چاہیے کہ ہم اس کی مانیں وہ ہماری، لہٰذا دنیا میں ہم پر لازم ہے کہ اس کی ہر بات مانیں اور آخرت میں وہ ہماری بات مانے گا۔

دوسرے یہ کہ دنیا تربیت کی جگہ ہے۔ اور آخرت جزاء کی جگہ۔ یہاں ہماری ہر بات ماننا ہمارے لئے نقصان دہ ہوگا۔ جیسے مہربان باپ تربیت کے زمانہ میں بیٹے کی ہر بات نہیں مانتا۔ اور تربیت کے بعد اس کی خواہش پوری کرتا ہے۔ بخلاف ماں کے کہ وہ ہر وقت فرزند کی ناز برداری کرنا پسند کرتی ہے۔ لہٰذا ماں کی محبت نقصان دہ ہے۔ اور باپ کی محبت فائدہ مند اسی لئے حق پرورش باپ کو ہے نہ کہ ماں کو۔

تیسرے اس لئے کہ دنیا میں ہمارے پاس دل بھی ہے اور نفس امارہ بھی۔ دل تو اچھی خواہش کرتا ہے مگر نفس بری خواہشات بھی کر لیتا ہے۔ اور آخرت میں ہمارا نفس یا تو فنا کر دیا جائے گا یا اس کی اصلاح کر دی جائے گی۔ لہٰذا وہاں اچھی خواہشیں ہی ہوں گی۔ بری ہوں گی ہی نہیں۔ غرض کہ دنیا میں مصیبتوں کا آنا بھی رب کی دوستی کی بناء پر ہے۔ اور آخرت میں ہر طرح آرام ہونا بھی اس کی دوستی کا ظہور ہے۔

حکایت: حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کسی جگہ سے گزر رہے تھے۔ ملاحظہ فرمایا ایک بچہ کیچڑ میں گر گیا ہے اور اس کے کپڑے و جسم لتھڑ گئے ہیں۔ لوگ دیکھتے ہوئے گزر جاتے ہیں کوئی پرواہ بھی نہیں کرتا۔ کہیں دور سے ماں نے دیکھا دوڑتی ہوئی آئی دو تھپڑ

بچے کے لگائے کپڑے اتار کر دھوئے اسے غسل دیا۔ حضرت کو یہ دیکھ کر وجد آ گیا اور فرمایا: کہ یہی حال ہمارا اور رحمت الٰہی کا ہے ہم گناہوں کے دلدل میں لتھڑ جاتے ہیں کسی کو کیا پرواہ، مگر رحمت الٰہی کا دریا جوش میں آتا ہے۔ ہم کو مصیبتوں کے ذریعہ درست کیا جاتا ہے۔ اور توبہ وعبادات کے پانی سے غسل دے کر صاف فرماتا ہے۔

حکایت: کسی نے سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا کہ فلاں مجذوب کہہ رہا ہے کہ ہم اس دریا میں غوطہ لگا رہے ہیں جس کے کنارے پر انبیائے کرام کھڑے ہیں۔ آیا وہ کافر ہے یا مسلمان؟ وہ سمجھے تھے کہ اس دریا سے معرفت الٰہی کا دریا مراد ہے۔ اور یہ مجذوب اپنے کو انبیاء سے افضل کہہ رہا ہے۔ لہٰذا کافر ہے۔ آپ رو پڑے اور فرمایا کہ وہ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ وہ دریا گناہوں کا ہے۔ انبیائے کرام کنارہ پر ہماری دستگیری کے لئے کھڑے ہیں۔ اگر ان کی امداد شامل حال نہ ہو تو ہم اس دریا میں ہلاک ہو جائیں۔ مولانا عطار نے منطق الطیر میں کیا خوب فرمایا۔

خلق ترسد از من ترسم ز خود
کز تو نیکی دیدہ امروز خویش بد

اے مولا! مخلوق تجھ سے ڈرتی ہے۔ مگر میں اپنے سے ڈرتا ہوں۔ کیوں کہ تو نے ہمیشہ مجھ پر کرم فرمایا میں نے برائیاں کیں۔ غرض کہ رب تعالیٰ واقعی مسلمانوں کا دنیا و آخرت میں دوست ہے۔ مگر دنیا میں دوستی کا ظہور اور طرح ہے آخرت میں دوسری طرح۔

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ یہ بھی اس دوستی کا ظہور ہے۔ فرمایا گیا کہ جنت تمہارے لئے رب کی طرف سے مہمان خانہ ہے۔

خیال رہے لَکُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت تمہارے لئے رب کی طرف سے ملکیت ہوگی۔ مگر نُـــــزُلًا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں مہمان ہوں گے اور مہمان میزبان کے گھربار کا مالک نہیں ہوتا۔

اس میں نہایت لطیف نکتہ یہ ہے کہ قبضہ کے لحاظ سے جنتی جنت کے مالک ہوں گے۔ مگر خاطر و تواضع کے لئے مہمان، یعنی ان کی تواضع و خاطر ایسی شاندار کی جائے گی کہ جیسے مہمان کی ہوتی ہے کہ ہر میزبان اپنے معزز مہمان کی تواضع میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔ ہم بھی تمہاری خاطر میں کوئی کمی نہ کریں گے۔ یہ سمجھ لو کہ غفور رحیم کی مہمان داری کیسی ہوگی۔

نیز میزبان مہمان پر ناراض نہیں ہوتا۔ ہم وہاں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گے۔ نیز میزبان مہمان سے ضرور بات چیت بھی کرتا ہے۔ ہم بھی تمہیں وہاں اپنا دیدار دکھائیں گے اور تم سے کلام فرمائیں گے۔ نیز مہمان کی خاطر کا معاوضہ نہیں لیا جاتا۔ ہم تم سے ان خاطروں کا معاوضہ طلب نہ کریں گے۔

یہ اعمال صالحہ تو رب تعالیٰ کی مہمانی کا استحقاق حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ اور وہاں کی نعمتیں محض رب تعالیٰ کا عطیہ ہیں۔ اسی لئے حدیث میں ارشاد ہوا کہ کوئی اپنے اعمال سے نہیں بخشا جائے گا۔ محض فضل الٰہی سے بخشش ہوگی۔

اعمال اس فضل کے حاصل کرنے کا ظاہری ذریعہ ہیں۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا: جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. اللہ تعالیٰ ہمارا ایمان پر خاتمہ نصیب کرے۔ امین ثم امین

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پارہ ۲۴ رکوع ۱۹

ترجمہ: ان کی نشانیوں سے کہ دیکھتے ہو تم زمین کو خشک۔ پس جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو جنبش کرتی اور پھولتی بڑھتی ہے۔ بلاشبہ جس نے اسے زندہ کیا وہ ہی مردے زندہ کرنے والا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت کریمہ میں ان کفار کا رد ہے جو خالق کے سوا زمین یا زمان کو پوجتے تھے اور قیامت کے منکر تھے۔ اس جگہ تین امور بحث کے لائق ہیں۔ ایک یہ کہ کفار نے زمین و زمان میں کیا دیکھا تھا جو ان کی پوجا کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ قرآن حکیم نے ان کے خیال باطل کی تردید کس پیرایہ میں کی۔ تیسرے یہ کہ صوفیائے کرام نے اس آیت کریمہ میں کیا نکات بیان فرمائے۔

(۱) کفار ہر اس چیز کے سامنے سر جھکا دیتے تھے جو یا تو عجیب و غریب ہو یا طاقتور ہو یا اس کی ضرورت در پیش آتی رہتی ہو۔ انھوں نے زمانہ کی طاقت دیکھی کہ زمانہ عالم میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے، دن سب کو جگا دیتا ہے، رات سب کو سلا دیتی ہے، یہ ہی رات دن عمریں ختم کر دیتے ہیں جوان کو بوڑھا، زندہ کو مردہ، بادشاہ کو گدا اور گدا کو بادشاہ کر دیتے ہیں مضبوط محلوں کو ڈھا دیتے ہیں۔ لہٰذا وہ چاند، سورج، دن، رات کے پجاری بن گئے۔

کیوں کہ زمانہ اور موسم اور فصلیں اسی سے بنتی ہیں۔ اور غلے وغیرہ کی پیداوار اسی پر موقوف ہے۔ اس کی تردید پچھلی آیت میں کی گئی۔ اور زمین میں انھوں نے یہ وصف دیکھا۔ کہ ہم سب کی ابتداء بھی زمین سے ہے۔ اور بقاء بھی زمین ہے اور انتہا بھی زمین پر ہے۔

کہ عالم، فاضل، شاہ وگدا اسی سے پیدا ہوئے۔ اسی کی پیداوار کھا کر جیتے ہیں۔ اسی میں دفن ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ زمین کے پجاری ہو گئے کہ پتھروں، درختوں، گھاس پھوس بلکہ غلہ تک کو پوجنے لگے۔ اس آیت میں ان کے اس وہم کی تردید ہے۔

(۲) ان دونوں آیتوں کا منشاء یہ ہے کہ اے کافرو! تم نے تصویر کا ایک رخ دیکھا دوسرا نہ دیکھا۔ جس سے زمین وزمان، مکین ومکان کی مجبوری ومقہوری معلوم ہو۔ رات و دن واقعی دنیا پر راج کر رہے ہیں مگر یہ تو خیال کرو! کہ ان میں سے کوئی بھی ٹھہرتا نہیں۔ آگے پیچھے بھاگتے چلے جا رہے ہیں۔ پھر گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔ پھر کبھی ٹھنڈے ہوتے ہیں کبھی گرم، غرضیکہ کسی دوسری طاقت کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔

اسی طرح چاند، سورج کا ایک حال نہیں۔ دن میں تین پلٹے کھاتا ہے۔ صبح کو ٹھنڈا، دوپہر کو گرم، پھر شام کو ٹھنڈا، ذرا سا بادل آجائے۔ تو اس کی شعاعیں روک لے۔ گرہن لگ جائے تو بے نور ہو کر رہ جائے۔ پھر ایک منٹ کے لئے آرام نہ کر سکے۔ ہر وقت حیران و سرگرداں بھاگا پھرتا ہے۔ اس سے پتہ لگا کہ ان سب کی ڈور کسی اور ہی کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے دست قدرت میں ان کی ڈور ہے۔ اور جس کے حکم پر سب پھر رہے ہیں۔ وہ اللہ واحد قہار ہے۔ وہ ہی لائق عبادت ہے ؎

گرچہ تیر از کمان ہمی گذرد
از کمان دارد بیند اہل خرد

اسی طرح زمین کا دوسرا رخ دیکھ کہ یہ بھی قدرت کے ہاتھ میں کیسی بے بس ہے۔ بعض زمین پانی میں غرق ہے۔ بعض کھلی ہوئی ہے۔ کھلی زمین میں غرق ہونے کی قدرت نہیں۔ اور غرق زمین میں کھلنے کی طاقت نہیں۔ پھر کھلی زمین بعض بنجر ہے بعض آباد، بنجر میں آبادی کی قدرت نہیں۔ آباد میں بنجر بننے کی قوت نہیں، پھر آباد زمین میں قابلیت مختلف، پنجاب کی زمین میں گندم، مالٹا وغیرہ پیدا کرنے کی زیادہ طاقت ہے۔ کشمیر کی زمین میں زعفران،

اناس، پھل، فروٹ پیدا کرنے کی زیادہ طاقت ہے۔ بنگال، آسام کی زمین میں چاول، چھالیہ، پان وغیرہ اگانے کی زیادہ قابلیت ہے۔ غرض کہ قدرت نے جس حصہ میں جو طاقت ودیعت کر دی ہے اس میں تبدیلی ناممکن ہے۔

پھر ہر زمین موسم کی محتاج ہے۔ سردی میں گندم نہیں اگا سکتی۔ اور گرمی میں باجرہ پیدا نہیں کر سکتی۔ پھر زمین ہر وقت بارش اور دھوپ کی محتاج ہے۔ اگر وقت پر بارش آ جائے اور صحیح وقت پر دھوپ مل جائے تو پیداوار ٹھیک ہے۔ ورنہ سب برباد۔

یہ تو زمین کا ظاہری حال تھا۔ اب باطن کو دیکھو تو کہیں زمین میں تیل کے چشمے ہیں۔ کہیں پانی کے چشمے، کہیں سونے کی کان ہے تو کہیں کوئلہ کی، جہاں قدرت کے فیاض ہاتھوں نے جو چیز پیدا کر دی ہے وہ ہی نکلے گی۔ دوسری چیز نہیں نکل سکتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمین اور زمین والے مجبور ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ تم دن رات دیکھتے رہتے ہو کہ زمین سوکھی زبان سے بزبان حال ہم سے بارش کی دعائیں مانگتی ہے۔ جب ہم اپنی رحمت سے بارش برساتے ہیں۔ تب اس میں حرکت اور سبزہ پیدا ہوتا ہے۔ حرکت سے مراد حالت بدلنا اور بغیر بارش کے پانی کے کنوئیں، تالاب اور نہر کا پانی بیکار رہتا ہے۔ کیوں کہ بغیر غسل کے فقط پاؤں دھونا محض بیکار ہے۔

جب تمہیں معلوم ہو چکا کہ زمین محض مجبور ہے تو تم اس کی عبادت کرو جس کی یہ چیزیں حاجت مند ہیں۔ اور وہ رب ہے۔ اور اسی خشکی وتری سے قیامت کا پتہ لگا لو کہ جو زمین کی سوکھی مٹی میں پانی کے ذریعہ جان ڈال سکتا ہے وہ سوکھی ہڈیوں میں گلنے کے بعد صور کی پھونک کے ذریعہ جان ڈال سکتا ہے۔

یہ تفسیر عالمانہ ہے۔ اس تفسیر سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ جس چیز کی پیدائش کا مقصد پورا ہو وہ زندہ ہے۔ جس کا مقصد حیات ختم ہو جائے وہ مردہ دیکھو اس آیت میں خشک زمین کو مردہ اور تر زمین کو زندہ فرمایا گیا۔ کیوں

کر تر زمین سے پیداوار ہوتی ہے۔ جو زمین کی پیدائش کا مقصد ہے۔

اسی طرح مسلمان زندہ ہے اور کافر مردہ۔ شہید کو قرآن زندہ فرماتا ہے اور زندہ کافروں کو مردہ۔

دوسرے یہ کہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں معرفت الٰہی کا دفتر ہیں جو اس کے ذریعہ رب تعالیٰ کو پہچان سکے وہ کامیاب ہے۔ اور جو اس میں پھنس کر رہ جائے وہ ناکام ہے۔

جہاں مرآت حسن شاہد اوست
نشاهد وجهه فی کلّ ذرّات

دنیا جمال یار کے مشاہدہ کرنے کا آئینہ ہے۔ اس کے ہر ذرہ میں اُسے دیکھو۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفترے است معرفت کردگار

تفسیر صوفیانہ: یہ ہے کہ اہل دنیا کے دل گویا رب تعالیٰ کی زمین ہیں۔ آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رحمت کا سمندر، جس طرح سمندر سے بادل برس کر زمین کو سیراب کرتا ہے، ایسے ہی اس بحر رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہدایت کے بادل علماء اور صوفیاء کی شکل میں بن کر اس امت کے کھیت پر برستے ہیں۔ پھر جیسے زمین بعض بنجر یعنی ناقابل پیداوار ہوتی ہے اور بعض اچھی ایسے ہی کفار کے دل بنجر زمین ہیں۔ اور مسلمانوں کے دل اچھی زمین، کفار اس ہدایت سے کوئی فائدہ نہیں پاتے۔ پھر جیسے کہ اچھی زمین میں سے بعض آم پیدا کرتی ہے اور بعض زعفران اور ایسے ہی مومنوں کے دل مختلف درجے رکھتے ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب مبارک میں اس بارش سے جو پیدا ہوا وہ کچھ اور تھا۔ اور فاروق اعظم، عثمان غنی اور حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے قلوب میں جو پیدا ہوا وہ کچھ اور۔ اور جو گنہگار مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوا، وہ کچھ اور ہے۔

جیسے کشمیر کی زمین پنجاب کی زمین کے مثل نہیں۔ اگرچہ شکل میں یکساں ہیں۔ ایسے ہی ہم گنہگار صحابہ کرام کی مثل نہیں۔ اگرچہ شکل وشباہت یکساں معلوم ہوتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اے نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں کے مثل نہیں۔

پھر جیسے کہ ایک ہی سمندر سے بادل بنتا ہے مگر کوئی گھٹا پورب کی طرف سے آتی ہے کوئی پچھم کی طرف سے۔ کوئی جنوب سے، کوئی شمال سے، اسی طرح اگرچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بحر رحمت ہے۔ مگر اس سے جو رحمت کی گھٹا بنتی ہے۔ تو کوئی بغداد کے راستہ سے آتی ہے۔ جسے قادری کہتے ہیں۔ کوئی اجمیر کے راستے، کوئی بخارا کی راہ سے، کوئی سہروردی کی راہ سے جسے چشتی، نقشبندی، سہروردی وغیرہ کہا جاتا ہے غرض کہ ان رحمت کی گھٹاؤں کے نام مختلف ہیں۔ مگر سب اسی ایک سمندر سے بنے ہیں اور سب کا کام ایک ہی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے پہلے کعبہ وعرفات میں سب کچھ تھا۔ مگر درحقیقت کچھ نہ تھا۔ سب میں بت پرستی تھی۔ گویا یہ خشک زمین تھی۔ جو رحمت الٰہی کو مانگ رہی تھی۔ حضور علیہ السلام تشریف لائے۔ تمام چیزیں ہری بھری ہوگئیں۔ وہاں عبادات وریاضات کے پھل لگ گئے۔

وماعلینا الا البلاغ

☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ
لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (پ ۲۵۔ ع ۱)

ترجمہ: شتاب دکھائیں گے۔ ہم انھیں اپنی نشانیاں اطراف عالم میں اور ان کی ذاتوں میں یہاں تک کہ انہیں کھل جائے گا کہ وہ حق ہے۔

اس آیت کریمہ میں حقانیت اسلام یا حقانیت قرآن یا حقانیت صاحب قرآن صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے زبردست دلائل ارشاد ہوئے۔ مقصود یہ ہے کہ ہم دنیا جہان میں بلکہ ان کی ذاتوں میں ایسے ایسے نشانِ قدرت دکھائیں گے۔ جن سے ان کے دل حقانیت اسلام ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور دین اسلام کی سچائی روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی۔

اس آیت کی چار تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ تین عالمانہ اور ایک صوفیانہ و عاشقانہ اور ہر تفسیر کے ماتحت علیحدہ فوائد ہیں۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ ہم دنیا والوں کو اپنی قدوسیت و قدرت و علم کی کھلی نشانیاں دنیا اور ان کے نفسوں میں اس طرح ظاہر کریں گے۔ کہ وہ ہماری حقانیت ماننے پر مجبور ہو جائیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم قرآن کریم کی حقانیت کی ایسی کھلی نشانیاں عالم میں بھی اور ان کے نفوس میں بھی دکھائیں گے جس سے پتہ لگ جائے کہ قرآن حق ہے۔

تیسری یہ کہ ہم اپنے محبوب حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کی ایسی روشن دلیلیں عالم میں بلکہ خود ان میں ایسی ظاہر کریں گے کہ ان کے دل گواہی دینے لگیں گے کہ محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سچے پیغمبر ہیں۔

(۱) اگر ان آیات سے مراد اپنی قدرت کی نشانیاں ہوں۔ تو نُرِیْ میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ آگے زمانہ میں ایسی چیزیں پیدا فرمائیں گے جو آج ان کی عقل

میں نہیں آرہی ہیں۔ ان کی تفسیر وہ آیت ہے۔ وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ رب تعالیٰ ایسی سواریاں پیدا فرمائے جو ابھی تمہارے علم تو کیا وہم و گمان میں نہیں۔ چنانچہ ریل، موٹر، ہوائی جہاز، بجلی، ریڈیو، ایٹم بم یہ تمام ایجادات اس آیت کریمہ کی چلتی پھرتی تفسیریں ہیں۔ بلکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تو ایسی ایسی ایجادات کی خبریں دی ہیں۔ جو ابھی تک ظہور میں نہ آئیں۔

فرمایا انسان کی ران بلکہ اس کے جوتہ کا تسمہ اس سے کلام کرے گا۔ گھر کی دیواریں بتائیں گی کہ تیرے پیچھے تیری بیوی بچوں نے کیا کیا، دجال مردے زندہ کرے گا وغیرہ۔ غرض کہ اس آیت کی تفسیر بہت کچھ ظاہر ہو چکی۔ اور کچھ ظاہر ہوتی جا رہی ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ ان ہی موجودہ چیزوں میں سے وہ کرشمہ ظاہر فرمائیں گے کہ مخلوق حیران رہ جائے گی۔ دیکھو ہوا، پانی، دھواں، سورج، آگ، بھاپ یہ تمام چیزیں ہمیشہ سے دنیا میں موجود ہیں۔ مگر ان کی اندرونی طاقتوں کا پتہ مخلوق کو نہ تھا۔ سائنس کی ایجاد سے پتہ لگا کہ بھاپ، انجن اور ریل کھینچ سکتی ہے۔ پانی سے بجلی اور سورج کی شعاعوں سے ایٹم بم بن سکتا ہے۔ ابھی یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ہم کو تمام چیزوں کی پوری حقیقت معلوم ہو گئی۔ ممکن ہے ان ہی چیزوں سے ابھی اور بھی کرشمے ظاہر ہوں گے۔ بلکہ روز بروز ظاہر ہو رہے ہیں۔

یا یہ مطلب ہے کہ اگرچہ ہماری آیتیں موجود ہیں۔ مگر ان لوگوں کو ان میں غور و فکر کی توفیق نہیں ملی۔ عنقریب انھیں ان چیزوں میں فکر کرنے کی توفیق دیں گے۔ جب یہ غور کریں گے تو پتہ لگے گا کہ

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفترے است معرفت کردگار

لوگ اچھے واعظ تلاش کرتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نظر عبرت نصیب کرے تو زمین کا ہر ذرہ اور کھیت کا ہر پتہ بہترین واعظ ہے یہ تو فِی الْاٰفَاقِ کی تفسیر ہے۔

اب فِیْ اَنْفُسِکُمْ پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ہمارا روئگٹا روئگٹا رب تعالیٰ کی آیت (نشانی) ہے۔ اگر کبھی ہم یہ سوچیں کہ ہم کون ہیں۔ کہاں سے آئے؟ یہ کون بول رہا ہے؟ اور مرتے وقت کون پرندہ اس قفس میں سے نکل جاتا ہے تو ہم پاگل ہی ہو جائیں۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ میں حیرت کرتا ہوں کہ اگر بچے کے منہ اور ناک پر روئی رکھ دو، تو وہ مر جائے۔ مگر ماں کے پیٹ میں اتنے غلافوں میں ہوتے ہوئے کئی ماہ تک زندہ رہتا ہے۔ حالانکہ نہ وہاں ہوا ہے نہ دانہ پانی، غرض کہ وہ رب زندہ رکھنے میں ہوا، پانی وغیرہ کا حاجت مند نہیں۔ اور جب موت آجائے تو تمام چیزیں پانی اور ہوا وغیرہ موجود ہوتے ہوئے انسان چل دیتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ع

کہ کرد است بر آب کاری گری

یعنی تمام مصورین کاغذ، مٹی اور پتھر پر اپنا کمال دکھاتے ہیں کہ ان پر تصویریں بناتے ہیں۔ مگر آج تک کسی کاریگر نے پانی پر فوٹو نہیں کھینچا۔ رب تعالیٰ کی قدرت پر قربان جاؤں کہ اس نے ایک قطرہ پانی یعنی منی پر لاکھوں کروڑوں فوٹو کھینچ دیئے۔

حکایت: کسی نے امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا۔ کہ شطرنج کے موجد کا کمال تو دیکھو کہ ایک چھوٹے سے کپڑے پر ایسا طریقہ بنایا ہے کہ لاکھوں بار شطرنج کھیلو۔ مگر ہر بار نئی چال ہوتی ہے۔ سوا گز کے ٹکڑے میں لاکھوں شطرنج کی چالیں بھر دی ہیں۔ آپ نے فرمایا میرے رب کا کمال تو دیکھو کہ چہرے کے بالشت بھر ٹکڑے پر لاکھوں کروڑوں نقشے اس طرح کھینچے ہیں کہ ایک دوسرے سے ممتاز اور علیحدہ ہیں۔

غرض کہ اطرافِ عالم اور انسان کی ایجادات، نشاناتِ قدرت بے شمار ہیں۔ جو ہمیشہ ظاہر ہوتے رہیں گے۔

دوسری تفسیر: کی بنا پر معنی یہ ہوں گے کہ قرآن کی حقانیت کے دلائل آفاق عالم میں اور خود ان کے نفسوں میں ہم دکھائیں گے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ قرآن کے

اندر ایسی ایسی صفات ہیں جو ہمیشہ ظاہر ہوتی رہیں گی۔ مثلاً قرآن کی خبریں دیکھو! فصحاء عرب کو للکار کر فرمایا کہ تم ایک بھی آیت قرآن جیسی نہ بنا سکو گے۔ ایسا ہی ہوا کہ سارے چوٹی کے فصیح و بلیغ نے جمع ہو کر ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مقابلہ کرنا چاہا مگر نہ کر سکے ۔

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

خبر دی کہ قرآن کا رب حافظ ہے۔ اس میں توریت و انجیل کی طرح ترمیم و تبدیل نہ ہو سکے گی ایسا ہی ہوا خبر دی کہ عنقریب چند سالوں میں رومی فارسیوں پر غالب آجائیں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ خبر دی کہ اے محبوب! ہم نے تمہارا ذکر اونچا کر دیا۔ دیکھ لو! کہ آج بھی حضور علیہ السلام کا ذکر اونچا ہے۔ خبر دی کہ مؤمنین، متقین کو خلافت دیں گے۔ دیکھو! خلفائے راشدین اور دوسرے مؤمنین خلفاء ہوئے۔ غرض کہ لوگوں نے قرآن کریم کی حقانیت کے دلائل نزول قرآن سے پہلے زمانہ میں بھی دیکھے اور بعد میں بھی۔

اب سائنس نے تحقیق کی کہ درختوں میں نر مادہ ہوتے ہیں قرآن پہلے فرما چکا تھا۔ کہ وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ اب سائنس والوں نے دریافت کیا کہ درخت کیا باتیں کرتے ہیں۔ قرآن پہلے کہہ چکا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ۔

غرض کہ سائنسی تحقیقات بڑھتی جائے گی اور قرآن حکیم کی حقانیت زیادہ ظاہر ہوتی جائے گی۔ یہ سائنس وغیرہ گویا اس آیت کی تفسیر ہے۔

فائدہ: ان دونوں تفسیروں سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ مخلوقات میں اور قرآنی آیات میں غور و فکر کر کے رب تعالیٰ کی قدرت معلوم کرنا بڑی عبادت ہے۔ اسی لئے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ایک ساعت کی فکر ہزار برس کے ذکر سے افضل ہے۔ اور تدبیر سے ایک آیت پڑھنا بغیر سمجھے ہوئے سارے قرآن پڑھنے سے افضل ہے۔ قرآن کریم نے ہر جگہ تدبر اور تفکر کا حکم دیا: اَفَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا وغیرہ۔

تیسری تفسیر: کی بنا پر آیت کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ اے محبوب ہم آپ کی حقانیت کے دلائل ہمیشہ لوگوں کو دکھاتے رہیں گے۔ عالم میں بھی اور خود لوگوں کے نفس میں بھی یہاں تک کہ لوگوں پر آپ کی حقانیت ظاہر ہو جائے گی۔ اس کی تفسیر یوں سمجھو کہ دیگر انبیاء کرام کے معجزات ان کی تشریف آوری پر ظاہر ہوئے۔ اور ان کے پردہ فرمانے پر چھپ گئے۔ مگر رب تعالیٰ نے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو چار قسم کی آیات (نشانیاں) عطا فرمائیں۔ ایک وہ جو آپ کی تشریف آوری سے پہلے دنیا نے دیکھیں۔ اور دوسری وہ جو تشریف آوری کے وقت ظاہر ہوئیں۔ چوتھی وہ جو حضور علیہ السلام کے بعد قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گی۔ جیسے کہ آفتاب کا اعلان۔ اس کی موجودگی میں بھی ہو رہا ہے۔ اور نکلتے وقت بھی صبح کی سفیدی سے وہ آشکارہ ہے۔ ڈوبنے کے بعد شفق کی سرخی سے اور رات میں چاند تاروں کے نور سے ظاہر ہے۔ کیوں کہ سب کو اسی نے چمکایا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت کے سورج ہیں باقی انبیاء تارے اور قیامت تک کے اولیاء، علماء ذرے، اسی لیے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے انبیاء چھپ گئے۔ اور علماء واولیاء چمک گئے۔ کیوں کہ سورج سے چراغ گل ہوتے ہیں اور ذرے چمکتے ہیں۔

اس آیت میں چوتھی قسم کے معجزات وآیات کا ذکر ہے۔ یعنی آپ پچھلے انبیاء کی مثل نہیں ہیں کہ آپ کے پردہ فرمانے سے آپ کے معجزات بھی ختم ہو جائیں۔ بلکہ جیسے تشریف آوری سے پہلے کے معجزات دیکھے جاتے تھے۔ ایسے ہی پردہ فرمانے کے بعد بھی دیکھے جائیں گے۔ چار قسم کے معجزات کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کی پیدائش سے پہلے رب تعالیٰ اور ملائکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیج رہے تھے۔ کیوں کہ يُصَلُّوْنَ دوام استمراری تجدیدی ہے۔ پتہ لگا کہ انسان کی پیدائش سے پہلے حضور علیہ السلام کی دھوم مچی ہوئی تھی۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ جس سے پتہ لگا کہ عالم ارواح میں سارے نبیوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کا عہد لیا گیا۔ پتہ چلا کہ حضور علیہ السلام کی آیت نبوت عالم ارواح میں آشکارہ تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ساق عرش پر حضور علیہ السلام کا نام رب تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا پایا۔ معلوم ہوا کہ آپ نے پیدا ہو کر سب سے پہلے حضور علیہ السلام کی معرفت حاصل کی۔ اب بھی حکم ہے کہ سب سے پہلے بچے کے کان میں اذان کہو۔ آدم علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پیدا ہوتے ہی پڑھا۔ تو جو آدمی ہو وہ پہلے حضور علیہ السلام کا نام سنے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی خطا حضور علیہ السلام کے نام کے وسیلہ سے معاف ہوئی۔ اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام نے وصیت کی تھی کہ آڑی مصیبت کے وقت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام کے طفیل دعا کیا کرنا کیوں کہ میری بڑی مشکل میں یہی نام کام آیا۔ (دیکھو خصائص الکبریٰ) حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی حضور علیہ السلام کے نام پر پار لگی۔

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

بعض علما نے فرمایا ہے کہ ملائکہ آدم علیہ السلام کی پیٹھ کے پیچھے کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا کرتے تھے عرض کیا کہ مولیٰ یہ میرے سامنے کیوں نہیں آتے؟ فرمایا گیا کہ تمہاری پشت میں نوری محمدی جلوہ گر ہے اسی پر صلوٰۃ وسلام ہے اور اسی کی طرف سجدہ تھا

زبان حال سے کہتے تھے آدم!
جسے سجدہ ہوا ہے میں نہیں ہوں

حکایت: صاحب تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے تخت پر تمام دنیا کی سیر فرمائی۔ اس طرح کہ آپ کے ساتھ ایک

ہزار اولیاء وعلماء تخت پر تھے۔ اور کنارہ تخت پر جنات تعینات تھے۔ تخت کے اوپر پرندے دھوپ سے سایہ کئے ہوئے اُڑ رہے تھے۔ نیچے زمین پر تمام جانور ساتھ چل رہے تھے۔ کہ ایک خالی میدان کے مقابل پہنچ کر تخت سے اترے۔ اور سب کو اتارا، اور وہ میدان پیدل چل کر طے فرمایا پھر تخت پر جلوہ گر ہوئے۔

کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا۔ کہ اس جگہ آئندہ آبادی ہوگی اور یہاں ایک شہر آباد ہوگا جس کا نام مدینہ منورہ ہوگا۔ اور وہ شہر سید الانبیاء کی قیام گاہ اور آخری آرام گاہ ہوگا۔ میں نے اس لئے زمین کا احترام کیا۔ پوچھا کہ وہ شہر کب آباد ہوگا؟ فرمایا آج سے ایک ہزار برس بعد۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں اور حضرتِ مسیح علیہ السلام کی بشارتیں جو انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں ہیں۔ وہ تو قرآن کریم نے نقل فرمائیں۔ روایات میں آتا ہے کہ انبیائے کرام حضور علیہ السلام کے ذکر کی مجلسیں قائم کیا کرتے تھے۔ اور جیسے آج محفل میلاد شریف میں آپ کے فضائل واوصاف بیان کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح دیگر انبیائے کرام اپنی امتوں کے مجمع جمع فرما کر انھیں حضور علیہ السلام کے اوصاف سنایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام امتیں حضور کے وسیلہ سے مصیبتوں میں جنگوں میں دعائیں کرتے تھے۔ قرآن کریم فرمارہا ہے: وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہ کفار تمہارے نام کے طفیل مصیبتوں میں دعائیں کرتے تھے۔ غرض کہ آپ کے معجزات اور خبریں یوم الست سے قائم تھے۔

یہ تو تھے گزشتہ زمانے کے واقعات۔ خود سرکار کے زمانہ میں ہر شخص پر حضور علیہ السلام کے معجزات ظاہر ہو چکے تھے۔ بحیرہ راہب حضور کا بچپن شریف دیکھ کر ایمان لا چکا تھا۔ حضرت عبداللہ نے دیکھ لیا تھا کہ ان پر خشک درخت سبز ہو کر سایہ کرتے تھے۔ بت خانہ کے بت ان سے پناہ مانگتے تھے۔ آمنہ خاتون نے زمانہ حمل میں ہر مہینہ کسی نہ کسی پیغمبر کو خواب میں دیکھا تھا۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارتیں دیتے تھے۔

بوقت ولادت شریف حوران بہشتی حاضر ہوئیں ولادت پاک کے وقت حضور کا سجدہ فرمانا، یہ وہ باتیں تھیں جو آمنہ خاتون کے ایمان کے لئے کافی تھیں۔

حلیمہ دائی کا یہ دیکھنا کہ حضور کی برکت سے ان کے خشک پستان میں دودھ آ گیا۔ ان کا کمزور خچر طاقتور ہو گیا۔ ان کی سوکھی اونٹنی نے اتنا دودھ دیا کہ سارا کنبہ دودھ سے سیر ہو گیا۔ شق صدر وغیرہ وہ معجزات ہیں۔ جو حلیمہ دائی کے ایمان کے لئے کافی ہیں۔

پھر بعد اعلانِ نبوت جو معجزے ظاہر ہوئے وہ تو شمار سے باہر ہیں حضور علیہ السلام کے معجزے دو قسم کے ہیں۔ ایک داخلی دوسرے خارجی داخلی معجزے تو یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم از سرتاقدم معجزہ ہیں ۔

دیے معجزے انبیاء کو خدا نے
ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا

پھر ایک ایک عضو لاکھوں معجزہ رکھتا ہے۔ اس کے لئے قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ دیکھو۔

خارجی معجزے ہزاروں ہیں ۔ چاند کا چلنا، سورج کا واپس ہونا، پتھروں کا کلمہ پڑھنا، درختوں کا صلوٰۃ وسلام پڑھنا، اونٹوں کا دُکھ درد سنانا، ستون حنانہ کا فراق میں رونا، غرض ہزار ہا معجزے ہیں ۔

ہاں یہی کرتی ہیں چڑیاں فریاد ☆ ہاں یہی چاہتی ہے ہرنی داد
اسی در پر شترانِ ناشاد
گلۂ رنج و عنا کرتے ہیں

دیگر انبیائے کرام کو ایک ایک دو دو معجزے عطا ہوئے، سب سے زیادہ معجزے موسیٰ علیہ السلام کو ملے۔ یعنی نو۔ مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات چھ ہزار تو وہ ہیں جو روایت میں آگئے۔ اور تمام معجزات رب جانے کتنے ہوں گے ۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ!
ان سانہیں انساں وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

حضور علیہ السلام کے پردہ فرمانے کے بعد قیامت تک جو معجزات ظاہر ہوں گے وہ بھی ہمارے شمار سے باہر ہیں۔

قرآن کی ہر آیت حضور علیہ السلام کا معجزہ، ہزاروں معجزے تو اب بھی قائم ہیں اولیاء اللہ وعلمائے کرام اوران کی کرامتیں حضور کے معجزے ہیں جو قیامت تک ہوتے رہیں گے۔

حضور کا اتنا چرچا، حضور کی سلطنت عامہ کو اب بھی کسی بے دین کو گستاخی کی جرأت نہیں ہوتی۔اور جو گستاخ شانِ اقدس میں کچھ بکواس بکتا ہے وہ فوراً اپنے کئے کو بھگت لیتا ہے۔ شردھانند، راجپال اور نتھورام کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

اب حضور علیہ السلام کے نام سے لاکھوں، علماء، صلحاء، عرفاء پل رہے ہیں۔غرض کہ اب بیسیوں محکمے قائم ہیں۔اور ہر محکمہ میں اعلیٰ انتظام ہیں (خدا کرے میں بھی ان کے کسی محکمہ میں چپراسی رکھ لیا جاؤں)

لاکھوں روپے سالانہ زکوۃ بغیر کسی دباؤ کے نکل رہی ہے۔آپ کا دین روشن وآباد ہے۔یہ سب حضور کے معجزے ہیں۔

رائے سینا دہلی میں کام کر رہا تھا۔ایک سنگ مرمر کی سل آرا مشین سے چیری گئی تو اس کے اندر قدرتی لکھا ہوا تھا۔احمد۔میں نے خود اس پتھر کی زیارت کی جس پر لکھا ہوا ہے۔ احمد۔میرے پاس اب تک ایک پتھر ہے جس پر قدرتی لکھا ہے۔محمد۔

چند سال گزرے کہ آسمان پر تاروں کے درمیان لفظ محمد نمودار ہوا۔اور اس کی روشنی

ساری دنیا میں پھیل گئی۔ اس کی تصدیق غیر مسلموں نے بھی کی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصلی بال شریف جہاں ہیں وہاں ان کے برکات اب بھی دیکھنے میں آرہے ہیں۔ دھوراجی کاٹھیاواڑ میں مَیں نے ایک بال مبارک کی خود زیارت کی جس میں ہر سال ایک شاخ نمودار ہوتی جاتی ہے۔ ایسے ایسے صدہا وہ معجزے ہیں جو قیامت تک تو لوگ دیکھتے رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عالم کا آیت ہونا دو طرح ہے۔ ایک ظاہری دوسرا باطنی، ظاہری طور پر عالم کی ہر چیز رب کی قدرت، قرآن کی حقانیت کی نشانی ہے۔ جسے ہر ہوش مند سمجھ سکتا ہے۔ لیکن باطنی طور پر صرف اہل اللہ کے لئے ہی آیت ہے۔ مثلاً اللہ والے ہر ذرہ، ہر قطرہ سے تسبیح و تہلیل سنتے ہیں۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ کہ ہم کھانا کھاتے تھے۔ اور ہر لقمہ سے تسبیح سنتے تھے۔ ابو جہل پر حضور نے توجہ فرمادی۔ تو اس نے کنکروں سے کلمہ سنا۔ اس لحاظ سے دنیا اہل اللہ کے لئے نشانی ہے۔

حکایت: گلستان سعدی میں شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے۔ ایک منزل پر قیام کیا۔ صبح کے وقت ایک فقیر نے گریبان پھاڑ ڈالا اور وجد میں رقص کرنے لگا۔ جب اسے سکون ہوا تو ہم نے پوچھا کہ تجھے اس وقت کس چیز پر وجد آیا؟ بولا میں نے دریا کے مینڈکوں، ہوا کے پرندوں اور پہاڑ کے ہر جانوروں کو ذکر الٰہی کرتے سنا۔ مجھے خیال آیا کہ ؎

گفت ایں شرط آدمیت نیست
مرغ تسبیح خواں و من خاموش

ترجمہ: یہ انصاف نہیں کہ پرندے تسبیح پڑھیں اور میں خاموش رہوں۔

حکایت: حضرت خواجہ خواجگان حضور سرکار خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز دریائے سندھ پر گزرے۔ تو آپ نے دریا سے پوچھا کہ کبھی تجھ پر کوئی اللہ کا بندہ کامل بھی گزرا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ ڈھائی آدمی گزرے۔ ایک علی ہجویری داتا گنج

بخش لاہوری اور دوسرے حضور عبدالقادر جیلانی اور آدھے آپ۔ اس کے پتہ بتانے سے ان دونوں مقام پر تشریف لائے۔ اور یہاں چلے گئے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

نطق آب و نطق خاک و نطق گل
ہست محسوس از حواس اہل دل
فلسفی گو منکر حنانہ است
از حواس اولیاء بیگانہ است

اسی طرح حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان صرف اہل اللہ پہچان سکتے ہیں یا وہ جس پر اہل اللہ کا ہاتھ ہو۔ ع

مستوں کے سوا تجھ کو سمجھا نہ کوئی سمجھے

ظاہری علم کی زیادتی، جس کے ساتھ عشق و محبت کا لگاؤ نہ ہو۔ کبھی شانِ مصطفوی معلوم کرنے کے لئے حجاب بن جاتی ہے۔ یہ ظاہر ہیں۔ اہل علم بشریت مصطفیٰ میں ایسے پھنستے ہیں کہ آگے بڑھنا نصیب نہیں ہوتا۔ مگر واقف کاروں سے پوچھو کہ بشریت تو یار کا ایک لباس ہے۔ ذرا لباس سرکا، کہ معاملہ صاف ہے۔ اس طرف ڈاکٹر اقبال نے اشارہ کیا ہے۔

نگاہِ عاشق کی جان لیتی ہے پردۂ میم اٹھا کر
وہ بزم امکاں میں لاکھ بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

یہ ڈاکٹر صاحب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبدیت اور دیگر عبدیت میں کتنا فرق کرتے ہیں۔

عبد دیگر عبدۂ چیزے دگر
او سراپا انتظار او منتظر
عبدۂ دہر است و دہر از عبدۂ
ما ہمہ رنگیم داد بے رنگ و بو

عبدۂ چگونہ و چوں کائنات!

عبدۂ راز درون کائنات!

عبدۂ صورت گر تقدیر ہاست

اندریں تخریب ہا تعمیرہاست

کس از سر عبدۂ آگاہ نیست!

عبدۂ جز سرِّ الا اللّٰہ نیست

مدعی پیدا نہ کرد و زیں دو بیت

تانہ بنی از مقام ما رمیت

یعنی سب رب ہے عبد اور حضور ہیں عبدۂ۔ عبد وہ ہے جو رب کا انتظار کرے، عبدۂ وہ کہ رب ان کا انتظار فرمائے۔ عبد وہ جو رب کی رضا چاہے۔ عبدۂ وہ کہ رب اس کی رضا چاہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى عبد وہ جو رب سے پوچھ کر کام کرے۔ عبدۂ وہ کہ رب اس کی مرضی پاکر حکم نافذ فرماوے۔ عبد وہ جو اس پر ناز کرے کہ میں رب تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ عبدۂ وہ کہ دست قدرت اس پر ناز کرے کہ میں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مولیٰ ہوں: هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ کہ دوسرے اس کا سایہ اور عکس ہوں۔ ع

اصل سے ہے ظل بندہا تم پہ کروڑوں درود

عبد وہ جو بیرون سرا ہو۔ عبدۂ جو اندرون سرا ہو ابھی تک لوگوں کو عبدۂ کے اسرار کا پتہ ہی نہ لگا یوں سمجھ لو۔ کہ عبدۂ لا الٰہ الا اللّٰہ کا راز ہے۔ عبدۂ سے سارے عالم کی تقدیریں وابستہ ہیں جس پر عبدۂ کی توجہ ہو جائے اس پر سارے عالم کی عنایت ہو جائے۔

ہر ذرہ دل بن جاتا ہے ہر چیز نذر ہو جاتی ہے!

وہ آنکھ جدھر ہو جاتی ہے کونین ادھر ہو جاتی ہے

میرے ان دو شعروں سے عبدہٗ کے معنی ظاہر نہ ہوں گے۔ جب تک کہ تم یہ آیت بغور نہ دیکھو:

"مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی"

لطف تو دیکھو یہاں منطقی قاعدے سے اجتماعِ نقیضین ہے، فرماتا ہے۔ اے محبوب اگر تم نے کنکر پھینکے۔ تو تم نے نہ پھینکے۔ رب تعالیٰ نے پھینکے۔ پھینکنے کا ثبوت بھی اور نفی بھی۔ اس کا حل کسی دل جلے عاشق سے پوچھو۔

میں تیرے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے سارے کافروں کا منہ پھر گیا

یہ تو عالم کی نشانیوں کا ذکر تھا۔ جو خود انسان کی ذات میں قدرت کی نشانیاں اس قدر موجود ہیں کہ انسان خود عالم ہے۔ اور دنیا اس کی تفصیل انسان تخم ہے۔ اور دنیا درخت۔ جیسے تخم میں سارا درخت اجمالاً موجود ہے۔ ایسے ہی انسان میں سارا عالم نمودار ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک جسم انسانی عرش رحمان ہے اور نفس کرسی ہے۔ دل بیت المعمور اور دل کے سات لطیفے جنت کے سات طبقے ہیں۔ روحانی تو تیں فرشتے ہیں۔ دونوں آنکھیں، ناک کے نتھنے، کان، دونوں سبیل، ناف، پستان اور منہ گویا بارہ برج ہیں۔ اور قوت باصرہ، سامعہ، ذائقہ، شامہ، لامسہ، ناطقہ، عاقلہ گویا سات سیارے تارے ہیں۔ اور انسان کے بدن کے تین سو ساٹھ (۳۶۰) جزو گویا تین سو ساٹھ دن ہیں۔ اور انسان کے منہ کے مخرج جن سے حروف ادا ہوتے ہیں۔ گویا چاند کی ۲۸ منزلیں ہیں۔

اسی طرح جیسے دنیا میں زمین، پہاڑ، کانیں، دریا، نہریں ہیں۔ اسی طرح جسم انسانی گویا زمین ہے۔ ہڈیاں پہاڑ کی طرح اس جسم کی میخیں ہیں۔ اور ہڈیوں کا مغز گویا کانیں، پیٹ گویا دریا، انتڑیاں نہریں، رگیں نالیاں ہیں۔ چربی گویا کیچڑ ہے۔ بال گویا نباتات ہے۔ پشت گویا جنگل ہے۔ سانس گویا ہوا۔ کلام گرج، آواز بجلی، گریہ زاری بارش اور خوشی دن ہے۔ رنج و غم رات، نیند موت ہے، بیداری زندگی، پیدائش، ابتداء سفر ہے، بچپن موسم بہار، جوانی

موسم گرما، بڑھاپا سردی اور موت انتہائے سفر ہے۔ عمر کے سال مختلف شہر ہیں، مہینے منزلیں، ہفتے گویا راستے کے کوس، دن گویا میلیں، سانسیں قدم، ہر سانس پر انسان زندگی کا ایک قدم چلتا ہے۔ روزانہ دن میں بارہ ہزار سانس لیتا ہے۔ رات میں بارہ ہزار قیامت میں ہر اس سانس پر ندامت ہوگی۔ جو غفلت میں گزرے۔ یہ تو اعضائے بدن کا ذکر تھا۔

پھر صفاتِ انسانی کو دیکھو۔ تو معلوم ہوگا، مخلوقات کا جامع انسان ہے۔ انسان معرفت الٰہی میں فرشتہ ہے۔ مکر وفریب کے لحاظ سے شیطان کا استاد ہے۔ ہمت و بہادری میں شیر ہے۔ جہالت میں جانور ہے۔ تکبر میں چیتا ہے۔ غصہ وفساد میں بھیڑیا ہے۔ صبر میں گدھا ہے۔ شہوت میں چڑیا ہے۔ حیلہ بازی میں لومڑی ہے۔ حرص وطمع میں چیونٹی اور چوہا ہے، بخل میں کتا، خیانت میں سور ہے، کینہ میں سانپ ہے، بردباری میں اونٹ ہے، سخاوت میں مرغ ہے، کاریگری میں الّو ہے، چاپلوسی میں بلی ہے، ہمت میں باز ہے۔ حیلہ بازی میں کوا۔ ان تمام پر طرہ یہ ہے کہ صاحب عقل ونظر ہے۔ یہ تمام رب کی وہ نشانیاں ہیں جو نفس انسان میں نظر آرہی ہیں۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

وماعلینا الا البلاغ

☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ

اور مسلمانوں کے آپس کے کام اپنے مشورے سے ہوتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ آپس کے معاملات مشورہ سے کریں۔ مشورہ چونکہ بڑی اہم چیز ہے اس لئے جگہ جگہ قرآن کریم میں اس کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

اس بزم میں ہم مشورہ کے متعلق چند امور عرض کرتے ہیں۔ مشورہ کے معنی کیا ہیں؟ مشورہ کس کام میں کیا جائے۔ مشورہ کے فضائل وفوائد۔

ا-مشورہ کے معنی: مشورہ شور سے بنا بمعنی ظاہر کرنا یا حاصل چونکہ مشورہ میں ہر ممبر رائے ظاہر کرتا ہے یا ہر شخص کی رائے حاصل کی جاتی ہے۔ لہٰذا اسے مشورہ کہتے ہیں۔ اسی سے شوریٰ اور مشاورت بنا ہے۔

۲-مشورہ کے فضائل: مشورہ کے عقلی ونقلی بہت سے فضائل وفوائد ہیں۔ مشورہ کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ رب العالمین نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانا چاہا۔ تو فرشتوں سے مشورہ فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔

ہم زمین میں اپنا نائب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مشورہ تھا۔ اپنے ارادے کی محض اطلاع نہ تھی۔ اسی لئے فرشتوں کو یہ سن کر اپنی رائے ظاہر کرنے کی جرأت ہوئی۔ کہ عرض کیا۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ۔ کیا ایسے کو اپنی خلافت عطا فرمائے گا جو زمین میں فساد پھیلائے گا۔ جو زمین میں فساد وخون ریزی کرے گا۔ پھر اپنی رائے پیش فرمائی کہ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ہم تیری تسبیح وتقدیس کرتے

ہیں۔ہم ہی خلافتِ الٰہیہ کے زیادہ حق دار ہیں اگر چہ ان کی یہ رائے قبول نہ ہوئی۔اور فرمایا گیا: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ہم وہ جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے۔

اگر یہ مشورہ نہ ہوتا تو ملائکہ کبھی اپنی رائے پیش نہ فرماتے۔ان کی صفت یہ ہے۔ یَفْعَلُوْنَ مَایُؤْمَرُوْنَ جس کا انھیں حکم مل جاتا ہے اس کی اطاعت کرتے ہیں۔بہر حال یہ مشورہ تھا۔جس میں بندوں کو تعلیم دینا مقصود تھا۔ہم علیم وخبیر ہوتے ہوئے مشورہ فرماتے ہیں۔تم بھی کاموں میں مشورہ کرلیا کرو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان سے بڑھ کر عقل وحکمت والے ہیں۔ تمام جہان کی عقل ایک پیغمبر کی عقل ودانائی کے مقابلہ میں دسواں حصہ ہے۔اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی مجموعی عقلیں حضور کی عقل کا دسواں حصہ ہیں۔

دیکھ لو! نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عرب جیسے وحشی اور نا مہذب ملک میں تشریف فرما کر عرب کی بلکہ سارے عالم کی وہ اصلاح فرمائی جو نہ کسی فلسفی سے ہوسکی نہ سائنس والوں سے۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ دروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اس کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

اس قدر علم وحکمت، فہم ودانائی کے ہوتے ہوئے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔

ترجمہ: اے محبوب اپنے سارے نیازمندوں سے مشورہ فرمالیا کریں۔اور جب ارادہ فرمالیں تو اللہ پر توکل فرمائیں۔

اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جنگ وغیرہ اہم کاموں میں انصار ومہاجرین سے مشورہ فرماتے تھے۔معلوم ہوا کہ مشورہ سنت نبوی ہے اور اس مشورہ سے امت کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ ہم صاحب وحی ہوتے ہوئے مشورہ کرتے ہیں تو تم بھی مشورہ کیا کرو۔

ایک شخص کی رائے اس کچے دھاگے کی طرح ہے۔ جس سے کوئی مضبوط کام نہیں ہوسکتا۔ مگر مشورہ کے لئے جب چند رائے مل گئیں تو اس مضبوط رسی کی طرح ہوگئی جس سے بڑی بھاری چیزیں باندھ لی جاتی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا: یَدُاللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ.

ترجمہ: یعنی جماعت پر اللہ کا دست کرم ہے۔

مشورہ سے کام کرنے والا خجالت وطعنے سے محفوظ رہتا ہے۔ اور مصیبت کے وقت بے یار ومددگار نہیں ہوجاتا۔ اگر ہم کوئی کام صرف اپنی رائے سے کر بیٹھیں تو صرف ہم ذمہ دار ہیں۔ اگر کل کو اس میں ناکامی ہو تو نقصان کے ساتھ خلق ہنسائی بھی ہوگی۔ اور ہم کو شرمندگی بھی، اور ہماری قوم ہماری مدد بھی نہ کرے گی کہ تو نے ہی کیا تھا تو ہی بھر۔ لیکن اگر مشورہ سے کام ہوا تو اگر چہ بعد میں اتفاقاً نقصان بھی ہوجائے مگر لوگوں کی ہمدردی ہمارے ساتھ ہوگی کیوں کہ سب کی رائے سے کام ہوا ہے۔

مشورہ پر بادشاہی، کونسل، کچہریاں، انجمنیں، خانگی کاروبار چل رہے ہیں۔ جس شخص سے خدا راضی ہوتا ہے۔ اسے مشیر بخشتا ہے۔ اور جس بادشاہ پر خدا مہربان ہوتا ہے اسے وزیر عنایت فرماتا ہے۔

حکایت: کسی نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں فتوحاتِ اسلامی زیادہ ہوئیں۔ اور آپ کے زمانہ میں خانہ جنگی زیادہ رہی اس کا سبب کیا ہے؟ فوراً جواب دیا کہ انھیں مشورہ دینے والے ہم تھے۔ اور ہمیں مشورہ دینے والے تم ملے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب تک تمہارے حکام اچھے ہوں اور تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے کام آپس میں مشورہ سے ہوں تب تک تمہارے لئے زمین کی پشت زمین کے پیٹ سے اچھی ہے۔ یعنی زندگی موت سے افضل ہے۔ اور جب تمہارے حکام برے ہوں اور تمہارے سخی بخیل ہوں اور تمہارے کام عورتوں کے سپرد ہوجائیں تو تمہارے لئے

زمین کا پیٹ پشت سے بہتر ہے، یعنی موت زندگی سے افضل ہے۔
مشورہ سے قوم میں تنظیم اور اتفاق پیدا ہوتا ہے۔ کیوں کہ مشورہ میں ادنیٰ آدمی اعلیٰ کے برابر کیا جاتا ہے۔ اور قوم کے چھوٹے بڑے ایک کر دیے جاتے ہیں۔ اور نیچ اونچ، نا اتفاقی کی جڑ ہے۔ اور مساوات اتفاق کی جڑ۔ جب بادشاہ رائے لینے کے لئے مساکین اہل الرائے کو دربار میں بلائے گا تو انہیں خوشی بھی ہوگی اور ہمدردی بھی۔
شخصی بادشاہتیں اسی لئے جلد تباہ ہو گئیں کہ رعایا کو ان سے ہمدردی نہ تھی۔ جنگ کے موقعہ پر پبلک نے کہا کہ بادشاہ جانے اور جنگ، ہم سے کیا تعلق۔ فوج بھی بڑھی تو محض ادائے فرض۔ اور تنخواہ لینے کے لئے۔ جمہوری سلطنت کی تمام رعایا فوج ہے۔ یہ مشورہ کی برکت ہے۔
اسلام کی جماعت کی نمازوں میں مشورہ کا فائدہ ہے کہ محلے والے دن بھر میں پانچ دفعہ ملیں۔ اور اونچی نیچی باتوں میں مشورہ کر لیا کریں۔ جمعہ کے دن شہر کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہو جائے۔ اور عید کے دن سارے مضافات کے مسلمان مل جائیں۔ بلکہ حج میں دنیا بھر کے مسلمانوں سے مل کر مشورہ کرنے کا موقعہ مل جائے۔
یہ جماعت کی نمازیں گویا مسلمانوں کی کانفرنسیں ہیں۔ دوسری قومیں لاکھوں روپیہ خرچ کر کے گول میز کانفرنس کرتے ہیں۔ کیوں؟
صرف مشورہ کے لئے، مگر مسلمانوں کی گول میز کانفرنس ہر سال مکہ معظمہ میں ہوتی ہے جہاں بغیر خرچ ہر ایک کی قیمتی رائے معلوم ہو سکتی ہے۔
زمانہ نبوی میں مسجدوں میں مسلمانوں کی کچہریاں تھیں۔ اور مسجد ہی میں قوانین بنتے تھے۔ وہاں ہی فوج بن کر فتوحات حاصل کرتی تھی۔ مسجد ہی میں قاضی کے فیصلے جاری ہوتے تھے۔ غرض کہ مسجدیں ہی اسلام میں دار مشورہ تھیں۔ جب سے کچہریاں مسجدوں سے نکل کر کوٹھیوں میں پہونچی تب ہی سے مشورے ناقص ہو گئے اور قوم میں فتور آ گیا۔

مشورے کے کام: کام تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کا حکم یا ممانعت شریعت میں آگئی۔ یعنی احکام منصوصہ دوسرے اسرار، تیسرے کاروبار دینی یا دنیاوی۔ پہلے دو میں مشورہ کی گنجائش نہیں۔ تیسرے میں مشورہ کی ضرورت ہے۔ اگر تمام دنیا نماز چھوڑ دینے، زکوۃ نہ دینے، حج ترک کرنے، جہاد بند کرنے کا مشورہ دے تو غلط ہے۔ یہ سارے کام ضرور کئے جائیں گے۔ کیوں کہ رسول اللہ نے ان کا حکم دیا ہے پھر مشورہ کیا۔ دیکھو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ اسلام کے وقت سارے جہاں کی رائے تھی۔ کہ شرک کیا جائے توحید کا اعلان صرف حضور کا تھا۔ وہ تمام مشورے باطل ہوئے۔ اور ایک ذات کریم نے توحید کا ڈنکا بجایا۔ رب کے مقابلہ میں سب کی نہ مانو۔

اس قسم کے احکام کے لئے وہ آیت ہے: مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ۔

مومن یا مومنہ کو اللہ اور رسول کے فیصلہ کی موجودگی میں کوئی اختیار نہیں۔ دیکھو نبوت میں کسی کے مشورہ کی ضرورت نہیں مگر سلطنت کے لئے مشورہ درکار ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو قسم کے علم حاصل کئے۔

(۱) ایک وہ جو تم میں پھیلا دیا (۲) دوسرا وہ جو اگر کچھ بھی ظاہر کروں تو میرا گلا کاٹ دو۔

معلوم ہوا کہ اغیار سے اسرار چھپائے جاتے ہیں۔ باقی کاموں میں مشورہ بڑی برکت کا باعث ہے مشورہ کے کام میں رب تعالیٰ مدد فرماتا ہے۔

مشورہ کن لوگوں سے کیا جائے؟: یہ ضرور خیال رہے کہ ہر کام میں مشورہ اس کے اہل سے کرنا ضروری ہے ورنہ کام بگڑ جائیگا۔ بیماریوں میں پولس سے مشورہ نہ لو۔ حکیم سے لو، شرعی معاملہ میں علماء سے، مقدمہ میں وکیلوں سے، عمارت بنوانا ہو، تو

معماروں سے۔ اور چوری کی تحقیقات کرانی ہو تو پولیس سے مشورہ کرو۔ نہ خود اپنی رائے سے کام لو، نہ نااہل سے مشورہ کرو۔ ڈاکٹر اقبال نے نااہلوں کے مشورہ سے بچنے کے لئے فرمایا۔

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

ایک انسان کی بات مانو، دو سو گدھوں کے مشوروں پر عمل نہ کرو۔

حکومت برطانیہ کے قانون میں مالداری، رائے دہندگی کا مدار ہے۔ کہ اتنا ٹیکس دینے والا کونسل کا ممبر بن سکتا ہے۔ اور اتنی دولت کا مالک دہندہ ممبر ہو سکتا ہے۔

اسلام میں ہر چیز میں رائے دہندہ ہونے کا مدار علم و عقل پر ہے۔ نہ کہ عمر و مال پر، اگر مالدار ہی عقل مند ہوا کرتے، تو فرعون، شداد، نمرود بڑے عقل مند ہوتے حالانکہ یہ پورے گدھے تھے اور اگر غریب بیوقوف ہوتے تو انبیاء، اولیاء، صلحاء اور مساکین نہ ہوتے۔ مجلس نبوی میں جہاں عثمان غنی کو رائے دینے کا حق تھا وہاں سلمان فارسی اور بلال حبشی کو برابر کا حق تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلکہ غزوہ خندق سلمان فارسی کے مشورہ سے ہوا۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ یمن کا گورنر ایک آزاد شدہ غلام کو بنایا لوگوں نے اعتراض کیا کہ غلام اور گورنر، فرمایا ہاں اس کے پاس علم قرآن زیادہ ہے قرآن کریم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے لئے طالوت کو بادشاہ بنایا گیا تو انھوں نے اعتراض کیا کہ اَنّٰی یَکُوْنُ لَهُ وَلَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ۔

خدایا طالوت کے پاس مال نہیں ہے اسے بادشاہت کیوں عطا ہوئی؟ ارشاد ہوا:

بَسْطَةً مِّنَ الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ طالوت کو جسمانی قوت، علمی سطوت زیادہ عطا ہوئی۔ اس لئے وہی سلطنت کے لائق ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا علم ان کی بلندی مراتب کا سبب بنایا گیا۔ غرض کہ مالداری مدار رائے دہندگی کا نہ ہونا چاہئے۔ اور امیر، وزیر، مشیر اہل ہونے چاہئیں

پر کام آنا بربادی کا باعث ہے۔ إِذَا وُسِدَ الْاَمْرُ إِلٰى غَيْرِ أَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔
جب نااہلوں کے ہاتھ میں کام آجائے۔ تو قیامت کا انتظار کرو۔

گر بہ امیر و سگ وزیر و موش راہ دیواں کنند
ایں چنیں ارکانِ دولت ملک را ویراں کنند

مشورہ کے شرائط: مشورہ کی چند شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ مشیر کی رائے آزاد ہو۔ خودی یا لالچ یا مروت میں دبی ہوئی نہ ہو۔ موجودہ زمانہ میں جو ممبری کے لئے رائے دہندگی ہوتی ہے اس میں اکثر رائے روپیہ سے خرید لی جاتی ہیں۔ بعض میں دوستی مروت کا لحاظ ہوتا ہے۔ بعض میں دھونس، دباؤ کا اثر ہوتا ہے۔ ایسی کسی رائے کا اعتبار نہیں۔ کہ یہ رائے دہندہ کی آواز نہیں بلکہ دھونس والے کی آواز ہے۔ مشورہ میں ضروری ہے کہ معمولی آدمی بڑے سے بڑے کی مخالفت کر سکے۔

حکایت: حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لونڈی تھیں اور مغیث کے نکاح میں تھیں۔ جب آزاد ہوئیں تو انہیں قانونی طور پر اختیار فسخ ملا کہ نکاح کریں یا توڑ دیں۔ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مغیث کی سفارش فرمائی کہ نکاح قائم رکھیں، عرض کرنے لگیں کہ آقا یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ۔ اگر حکم ہے تو میرے سر وچشم پر فرمایا، نہیں، یہ محض مشورہ ہے تو بولیں کہ مجھے منظور نہیں ہے۔ میں تو نکاح توڑوں گی آخر نکاح توڑ دیا اس پر یہ نہ فرمایا کہ تم نے لونڈی ہوتے ہوئے ہم شہنشاہ دوجہاں کی رائے نہ مانی، قیامت تک کے لئے نمونہ قائم ہو گیا کہ رائے میں آزادی ضروری ہے۔ آج کل رائے میں یہ آزادی کم ہے۔ یہ تو رائے ہے۔ گواہی میں شرط ہے کہ رعایت، مروت وغیرہ سے پاک وصاف ہو۔ اسی لئے باپ کے حق میں بیٹے اور مولیٰ کے حق میں غلام کی گواہی معتبر نہیں۔

حکایت: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ خلافت ہے۔ قاضی شریح کوفہ کے جج ہیں۔ ایک یہودی کے قبضہ میں ایک زرہ ہے۔ خلیفۃ المسلمین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

دعویٰ کیا کہ یہ زرہ میری ہے۔ یہودی نے انکار کیا، مقدمہ دائر ہوگیا۔
قاضی شریح نے حضرت علی سے گواہ طلب کئے۔ آپ نے اپنے فرزند امام حسن اور اپنے غلام قنبر کو پیش کیا۔ قاضی شریح نے فرمایا: کہ مجھے یقین ہے کہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نور نظر، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا لخت جگر اور علی مرتضیٰ کا فرزند ارجمند کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ مگر قانون یہ ہے کہ بیٹے کی گواہی باپ کے لئے اور غلام کی گواہی مولیٰ کے لئے قبول نہیں۔ لہٰذا یہ دونوں گواہیاں آپ کے حق میں قبول نہیں اور گواہ پیش فرمائیں۔
آپ نے فرمایا: کہ میرے پاس اور کوئی گواہ نہیں۔ چنانچہ امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف اس یہودی کو ڈگری ملی۔ کچہری سے باہر آکر یہودی نے آپ کے قدم پکڑ لئے اور عرض کیا کہ مجھے مسلمان کر لیجئے یہ زرہ واقعی آپ کی ہے مجھے آپ کے عدل و انصاف کا آزمانا منظور تھا۔ واقعی مسلمان بڑے انصاف والے ہیں۔
اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ رائے اور گواہی دباؤ کی معتبر نہیں۔ غرض رائے مشورہ دین اور قوم کی بھلائی کے لئے ہونا چاہئے نہ کہ کسی شخص کی بھلائی کے لئے۔
اگر قوم کا مشورہ کسی شرعی قانون سے ٹکرا جائے تو مشورہ ٹھکرا دیا جائیگا۔ اور قانونِ شرعی کی حفاظت کی جائے۔

حکایت: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں ایک قوم نے خیال کیا کہ ظاہری مال یعنی بھیڑ بکریوں اور پیداوار کی زکوٰۃ اب حکومت کو نہیں دینا چاہیے۔ کیوں کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔
ترجمہ: اے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ ان کے مالوں کا صدقہ وصول فرماؤ۔ اور انھیں اس سے پاک فرمادو۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس زکوٰۃ کی وصولی کا

حق صرف نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تھا، اب جب کہ حضور علیہ السلام نے پردہ فرمالیا تو ہم حکومت کوز کوۃ نہ دیں گے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ ان لوگوں پر جہاد کرنا چاہیے۔ سب کی اور خصوصاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے اس کے خلاف ہوئی کہ چونکہ یہ لوگ کلمہ گو ہیں ان سے جہاد کیسا؟ مگر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر اس پر تھی کہ اگر آج کچھ ڈھیل دی گئی تو کل نماز کو اور پرسوں کلمہ کو لوگ چھوڑ دیں گے۔

فرمایا اچھا کوئی نہ جائے۔ میں اکیلا میدان میں جاؤں گا۔ تب آپ اکیلے چل پڑے۔ تو پھر سب ساتھ ہوئے اور ان لوگوں کو مغلوب کیا پھر سب اصحاب نے اقرار کیا کہ واقعی یہ جہاد ضروری تھا۔

دیکھو یہاں سب کا مشورہ قانونِ اسلامی کے خلاف ہوسکتا تھا۔ امام نے نہ مانا۔

حکایت: یزید نے تختِ خلافت پر قبضہ کیا۔ عراق وحجاز کے قریباً تمام مسلمانوں نے تسلیم کرلیا۔ مگر سید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوررس نگاہوں نے بھانپ لیا کہ اگر آج اس خلافت میں سستی کی گئی، اور یزید جیسے فاسق و فاجر کو خلیفہ مان لیا گیا۔ تو آئندہ مسئلہ خلافت، بچوں کا کھیل بن کر رہ جائے گا۔ جس نااہل کا دل چاہے گا خلافت کا دعوے دار بن جائے گا۔

سیدنا عبداللہ ابن عمر و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے منع کرتے ہوئے آپ یزید کے مقابلہ میں ڈٹ گئے۔ زن وفرزند شہید کرادیے۔ مگر قانونِ اسلامی کے وقار کو ٹھیس نہیں لگنے دی۔

ان واقعات سے پتہ لگا کہ واقعی مشورہ ماننا ضروری ہے۔ مگر اس وقت تک جب تک کہ اس سے کسی شرعی قانون کے بگڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ ان واقعات کو سامنے رکھ کر اپنے ووٹ اور رائے کی قدر کریں اور خیال رکھیں کہ ووٹ ایسی قیمتی چیز ہے۔ کہ اس کی

حفاظت کے لئے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جان دے دی۔

سرداد نہ داد دست در دست یزید

حقا کہ بنائے لَا اِلٰــہ ہست حسین

لطیفہ: اس زمانہ میں بعض پاکستانی بے فکروں کو نئی سوجھی۔ان کا مشورہ یہ ہے کہ پاکستان میں قربانی بند کرائی جائے۔اور اس کا پیسہ حکومت کے حوالہ کیا جائے۔اگر یہ ترقی رہی تو آئندہ حج کی باری ہے۔ان کا مشورہ پھر یہ ہوگا کہ حج کے ذریعہ کروڑوں روپیہ سالانہ پاکستان سے باہر چلا جاتا ہے۔اسے بند کر کے حکومت کا خزانہ بھرا جائے پھر زکوۃ و فطرہ کی باری بھی آجائیگی۔

ان کی نگاہ دور بین سنیما، تھیٹر، شراب، تاش اور دیگر حرام اخراجات پر نہیں پہنچتی۔ اگر یہ لوگ کہتے کہ جو لوگ تاش کھیلتے دیکھیں، آوارہ پھرتے دیکھے جائیں۔انھیں فوراً اسلامی فوج میں بھرتی کر لیا جائے۔کیوں کہ یہ بیکار لوگ ہیں۔اور یہ تمام بدمعاشیاں بند کر کے اس کا پیسہ حکومت کے خزانہ میں داخل کرایا جائے۔تو ہم بھی اس کی تائید کرتے۔غرض کہ ہر مشورہ قابل قبول نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ حکومت و خلافت کی اہلیت کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ دینداری، تقویٰ، علم و حکمت، وفاداری نہ کہ غداری، سیاست دانی محض عبادات سے خلافت کا استحقاق نہیں۔ورنہ ملائکہ خلیفہ ہوتے۔محض عبادات سے خلافت، سیاست دانی خلافت کے لئے کافی نہیں ورنہ ابلیس خلیفہ ہونا چاہیے تھا۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتخاب خلافت الٰہیہ کے لیے اس لئے کیا گیا کہ آپ کو دینی علم، سیاست دانی، وفاداری غرض کہ ہر کمال عطا ہوا تھا۔

وما علینا الا البلاغ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اور سچوں کے ساتھ رہو۔ اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں کو ایسی دو باتوں کا حکم دیا ہے کہ اگر مسلمان اس کے عامل بن جائیں۔ تو ان کے دونوں جہاں درست ہو جائیں۔ ایک پرہیزگاری دوسرے اچھوں کی سنگت۔

پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ سارے احکام میں ایمان کی شرط اس لئے لگائی جاتی ہے کہ کوئی نیکی ایمان کے بغیر کام نہیں آتی۔ ایمان جڑ ہے اور نیک اعمال شاخیں۔ بغیر جڑ کے شاخیں نہیں ہوتیں۔ ایسے ہی بغیر ایمان کے نیکیاں قبول نہیں ہوتیں۔

کنوئیں کے پانی سے جسم کا وضو ہے۔ اور مدینہ پاک کے پانی سے دل و روح کا وضو ہوتا ہے۔ بغیر جسمانی غسل کے مسجد میں جانا منع ہے۔ اور بغیر ایمانی غسل کے قرب الٰہی میں پہنچنا ناممکن ہے۔ یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ ایمان کسے کہتے ہیں۔ اور ایمان کی حقیقت کیا ہے؟

ایک ہے توحید اور ایک ہے ایمان، خدا تعالیٰ کو ایک جاننا توحید کہلاتا ہے۔ اور حضور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو برحق ماننا ایمان ہے اور بغیر ایمان توحید بالکل بیکار ہے۔ جیسے بازار دنیا میں بغیر مہر کا نوٹ کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ ایسے ہی بازار قیامت میں بغیر سکہ مصطفیٰ کے توحید کے سادہ کاغذ کی کوئی قیمت نہیں اس کی تین دلیلیں ہیں۔

(۱) ابلیس توحید کا قائل تھا۔ بلکہ وہ رب تعالیٰ کی ذات اور صفات جنت، دوزخ، حشر و نشر غرض اٰمَنۡتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ کے تمام ارکان کا معتقد تھا۔ رب تعالیٰ اس سے کلام کرتا تھا۔ فرشتوں کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ جنت دوزخ کی سیر کرتا تھا۔ مگر صرف نبی کی عظمت کا معتقد نہ تھا۔ یعنی موحد تو تھا مگر مومن نہ بنا۔ دیکھو اس کا کیا حشر ہوا۔

ثابت ہوا کہ ایمان کے بغیر توحید محض بے کار ہے۔ رب تعالیٰ کو معلوم تھا کہ آخر ابلیس مردود ہوگا۔ مگر پہلے اسے موحد، مولوی، صوفی، عابد، زاہد بنایا، اپنا قرب عطا فرمایا اور پھر پیغمبر کی توہین کے جرم میں راندۂ درگاہ کر دیا۔ آخر کیوں؟

صرف اس لئے کہ تاقیامت ہر صوفی، ہر عالم، ہر زاہد اور ہر عابد کے لئے عبرت ہو۔ کہ بارگاہِ نبی ایسی نازک ہے کہ یہاں کی بے ادبی کرنیوالے ایسے برباد ہو جاتے ہیں۔ یہ مقام عرش سے نازک ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

(۲) اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام موحد نہ رکھا، نمازی نہ رکھا، غازی نہ رکھا۔ بلکہ مومن و مسلم رکھا۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سے پکارا، تاکہ پتہ لگے کہ موحد نہ بننا، ورنہ مارے جاؤ گے۔ مومن بن کر رہنا خود فرماتا ہے: ھُوَ سَمّٰکُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ فی زمانہ جو اپنے کو موحد کہتے ہیں اس سے نصیحت حاصل کریں۔

عصائے موسوی کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ چاہیے۔ تب اپنا کمال دکھائے گا۔ ایسے ہی لا الہ الا اللہ کے لئے وہ زبان و دل چاہیے۔ جس میں محمد رسول اللہ کی جلوہ گری ہو۔ تب اس کا نور ظاہر ہوگا۔ ورنہ ہر آریہ، ہر توحیدیہ لا الہ الا اللہ کہہ دیا کرتا ہے۔

(۳) قبر میں پہلا سوال ہوتا ہے: مَنۡ رَّبُّکَ؟ بندہ کہتا ہے کہ رب میرا اللہ ہے۔ لیکن ابھی پاس نہیں ہوا۔ اور دوسرا سوال ہوتا ہے: مَا دِیۡنُکَ؟ دین تیرا کیا ہے؟ بندہ کہتا ہے دینی الاسلام میرا دین اسلام ہے، لیکن ابھی پاس نہیں ہوا۔ آخری سوال جس پر دائمی کامیابی کا مدار ہے۔ یہ ہے کہ ماتقول فی حق ھذا الرّجل؟ اس کالی زلفوں والے سنہری جالیوں والے محبوب کو کیا کہتا تھا؟

بندہ عرض کرتا ہے کہ وہ تو میرے پیارے محبوب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ہیں۔ جب کامیاب ہوتا ہے۔ اگر صرف عقیدۂ توحید کافی تھا۔ تو وہ پہلے سوال میں آ گئی تھی۔ معلوم ہوا۔ کہ ایمان تو مخبر کے ماننے کا نام ہے۔

(۴) رب فرماتا ہے: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا یعنی اے پیارے تمہارے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ اپنے سارے اختلافات میں تم کو اپنا حاکم نہ مان لیں۔ پھر تمہارے فیصلے سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں۔ اور سر تسلیم خم کر دیں۔

دیکھو یہ آیت کریمہ حضرت عبداللہ بن زبیر اور ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی۔ جن کا جھگڑا کھیت کے پانی دینے میں تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے عبداللہ بن زبیر کے حق میں فیصلہ فرمایا۔ جس پر انصاری کچھ ناراض ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

دیکھو وہ انصاری توحید کے قائل تھے۔ جنت، دوزخ کے معتقد تھے۔ قیامت کے منکر نہ تھے۔ حضور علیہ السلام کے ایک فیصلہ سے کچھ کبیدہ خاطر ہوئے۔ تو قرآن نے یہ فتویٰ دیا۔

آج بادشاہ کے فیصلہ کی اپیل کی جاتی ہے۔ مگر حضور علیہ السلام کے فیصلہ کی کوئی اپیل نہیں۔ قرآن کریم نے فرمایا کہ جو بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں اونچی آواز سے بولیں۔ وہ بھی ایمان سے خارج ہیں۔ ان کے عمل برباد، حضور علیہ السلام جس کا نکاح جس سے چاہیں فرما دیں نہ لڑکی کو انکار کا حق، نہ لڑکے کو، اگر انکار کیا تو اسلام کا خطرہ ہے۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ معلوم ہوا کہ توحید جب ہی کارآمد ہے جب کہ ایمان ساتھ میں ہو ورنہ بالکل بے کار ہے۔

(۵) ڈبہ اگر فرسٹ کلاس کا ہو اور انجن سے وابستہ نہیں ہے تو اس کا کچھ کرایہ نہیں۔ اگر ڈبہ مال گاڑی یا تھرڈ کلاس کا ہو اور انجن سے وابستہ ہو تو اس کا کرایہ بھی ہے اور قیمت بھی ہے۔ اسی طرح اگر نمازی، غازی، حاجی، موحد، نبی کے قدم سے لگا ہوا نہ ہو تو مردود ہے۔ اور اگر مجھ جیسا گنہگار بھی ہو۔ لیکن اسے دامن پاک سے وابستگی ہو جائے تو مومن ہے۔

دیکھو شیطان کے پاس ساری عبادات تھیں مگر وہ آدم علیہ السلام کے دامن سے وابستہ نہ ہو تو عبادات کا نتیجہ کیا ملا؟ ذلت تا قیامت لاحول اور حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی ابوجہل کے فرزند کو جب وہ دامن مل گیا تو اس کا نتیجہ دنیا میں ہوا رضی اللہ عنہ؟ اور آخرت میں جو ملے گا وہ دنیا دیکھے گی۔

حقیقت ہے کہ جدھر ان کی نگاہ اُدھر ہی خلق خدا، بلکہ اُدھر ہی خدا، کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر ذرہ دل بن جاتا ہے ہر چیز نظر ہو جاتی ہے
اُٹھتی ہیں جدھر ان کی نظریں کونین اُدھر ہو جاتی ہے

نوٹ: ہم نے جو کہا کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ماننا ایمان ہے۔ اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ انھیں کیا ماننا؟ خیال رہے کہ انھیں محض بشر ماننا، محض انسان ماننا، اپنے جیسا ماننا، اپنا بھائی ماننا، اس سے ایمان نہیں ملتا، سب سے پہلے بشر کہنے والا ابلیس تھا۔ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ اسی طرح تمام کفار انبیاء کو بشر ہی کہتے تھے: اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا چاہیے تھا کہ وہ سب مومن ہوتے۔ قرآن کریم سے ہی پوچھو کہ کیا ماننا ایمان ہے۔ فرمایا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ یہ لوگ آپ کو اپنا مطلق حاکم بغیر مانے مومن نہیں ہو سکتے۔ فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ہم نے آپ کو گواہ اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا رب کی طرف بلانے والا چمکتا ہوا سورج بنا کر بھیجا۔

پیدا انہیں رسول مانو، نبی مانو، شفیع المذنبین مانو رب کا سچا سورج مانو، غرض کہ انھیں ایسے خطاب سے یاد کرو جس سے کسی امیر، وزیر، سلطان اور کسی فرد و بشر کو نہ پکار سکو۔ کیوں کہ دولہا برات میں ایک ہی ہوتا ہے۔ باقی اس کے طفیلی، کوئی مہمان بن کر، کوئی باجہ بجا کر، کوئی دولہا کا سمین بن کر، کوئی نکاح خواں بن کر، کوئی دولہا کا عزیز رشتے دار بن کر غرض کہ دولہا کا بن کر برات میں شرکت کرتا ہے۔ اور اس سے نفع اٹھاتا ہے۔ جتنا دولہا سے قرب اتنا اس کا حصہ، ڈوم میراثی کچھ پیسے پاتے ہیں۔ مہمان صرف کھانا، نکاح خواں کچھ روپیہ، سمین نقدی، وزیر جوڑے کے حق دار بنتے ہیں۔ غرض کہ جسے جو ملتا ہے وہ دولہا کے طفیل ملتا ہے۔

ایسے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم عالم کے دولہا ہیں۔ علماء، صلحاء، صوفیاء، شہداء، ہم جیسے گنہگاروں کو غرض کہ سب کو جو ملے گا۔ وہ انھیں کے طفیل، اس لئے سب کو مومن کی صفت سے پکارا جاتا ہے۔ یعنی ہماری رحمت کے مستحق تم جب ہی ہو سکتے ہو جب ان سے وابستہ ہو جاؤ۔ بادام کا چھلکا جب تک مغز کے ساتھ ہے قیمتی ہے۔ جب اس سے علیحدہ ہوا پھینک دیا گیا اِتَّقُوْا اللّٰهَ اِتَّقُوْنِیْ سے بنا جس کے معنی بچنا بھی ہیں اور ڈرنا بھی، بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں ڈرنا مراد ہے۔ کیوں کہ اس کے بعد اللہ کا ذکر ہے نہ کہ عذاب کا، اور اللہ سے ڈرا جاتا ہے بچا نہیں جاتا۔ لیکن اگر بچنا مراد ہو۔ تو یہاں عذاب پوشیدہ ہوگا۔ یعنی اللہ سے ڈرو، یا اللہ کے عذاب سے بچو۔

خیال رہے کہ خدا کا خوف اور تقویٰ دو قسم کا ہے۔ ظاہری اور باطنی، تقویٰ ظاہری وہ ہے جس کا تعلق قالب سے ہے اور تقویٰ باطنی وہ ہے جس کا تعلق قلب سے ہے۔ تقویٰ ظاہری کے لئے تمام شرعی احکام ہیں۔ یعنی جن چیزوں سے رب تعالیٰ ناراض ہو ان سے بچنے اور رب تعالیٰ کی رضا کے کام کرے۔

اس تقویٰ ظاہری کی چار قسمیں ہیں۔ شرک و کفر سے بچنا، یہ تقویٰ ہر مومن کو حاصل ہے۔ دوسرے حرام چیزوں سے بچنا یہ متقی مسلمان کو حاصل ہے۔ نہ کہ فاسق کو۔ اس کا انجام

مغفرت سیئات ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے: اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ. اگر تم گناہ کبیرہ سے بچو گے۔ تو تمہارے چھوٹے گناہ ہم معاف کر دیں گے۔ تیسرے گناہ صغائر سے بھی بچنا۔ یہ تقویٰ اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے اس کا نتیجہ خوفِ قبر، وحشت قبر، وحشت پل صراط سے بچنا، اور جنت کے بلند درجات کا پانا ہے۔ چوتھے غیر خدا سے بچنا، یہ تقویٰ انبیاء کرام یا خاص الخاص بندوں کو نصیب ہوتا ہے۔ کہ وہ دینی، دنیاوی کوئی کام بھی اپنے نفس کے لیے نہیں کرتے۔ سب رب تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرزند ارجمند کی قربانی کرنا، حضرت صدیق اکبر کا غار میں سانپ سے کٹوانا، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور علیہ السلام کی نیند پر نماز عصر قربان کر ڈالنا، اس تقویٰ کی جلوہ گری ہے۔ اس تقویٰ کا انجام رب تعالیٰ کا قرب خاص ہے۔ اس آیت میں ہر قسم کے آدمی کو اس کے لائق تقویٰ کا حکم ہے یعنی اے کافر! خدا سے ڈر، مومن بن جا۔ اے گنہگار مسلمان خدا سے ڈر گناہ صغیرہ بھی چھوڑ دے۔ غرض کہ یہ جز ساری شریعت کو اپنے میں لئے ہوئے ہے۔

تقویٰ باطنی کے لیے تمام طریقت و معرفت کے احکام ہیں تقویٰ باطنی کی حقیت اللہ اور اس کے پیارے بندوں، اس کی پیاری چیزوں کی دل سے عظمت اور محبت ہے۔ اگر دل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی ہر نسبت رکھنے والی چیز کی عظمت نہ ہو تو اگرچہ لاکھ نمازی ہو مگر دل کا متقی نہیں۔ جیسا کہ شیطان کے حال سے معلوم ہوا رب فرماتا ہے: وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ اس آیت میں یہ تقویٰ مراد ہو سکتا ہے۔ غرض کہ اِتَّقُوا اللّٰهَ شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت سب کی جامع ہے۔ رب تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے۔ کہنا آسان ہے مگر عمل کرنا مشکل ہے۔

جیسے ظاہر بدن اسی کا درست رہ سکتا ہے۔ جس کے دل و دماغ اور جگر وغیرہ اندرونی اعضاء میں بیماری نہ ہو۔ اسی طرح ظاہری

تقویٰ ہی کا کارآمد ہو سکتا ہے۔ جسے اعلیٰ تقویٰ میسر ہو۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ گنہگار خدا سے ناامید نہ ہو۔ کیوں کہ وہ غفار و ستار بھی ہے۔ اور نیک کار اپنے اعمال پر نازاں نہ ہو۔ کیوں کہ وہ رب قہار و جبار بھی ہے۔ غرض کہ اتقوا اللہ کا حکم نہایت ہی عام ہے۔ سارے پرہیزگار اور گنہگار لوگوں کو شامل ہے۔

وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ یہ دوسرا حکم ہے یعنی سچوں کے ساتھ رہو۔ یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے خوف کرو۔ اور خوف کہاں ملتا ہے۔ سچوں کے پاس ہر چیز کا بازار علیحدہ ہوتا ہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری کا بازار صحبت ابرار ہے یا یہ مطلب ہے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کر کے مطمئن نہ ہو جاؤ۔ اس کا نام دنیا ہے یہاں بڑے بڑے قافلے لٹ گئے ہیں۔ اپنے اعمال و ایمان کی حفاظت کی کوشش کرو۔ اسے محفوظ قلعہ میں رکھو۔ اور اعمال و ایمان کا حفاظتی قلعہ نیکوں کی صحبت ہے۔ یہ وہ جگہ ہے کہ جس پر شیطان راندہ کا بس نہیں چلتا۔

كُونُوا میں دو احتمال ہیں، ہو جاؤ، یا رہو۔ یعنی سچوں کے ساتھ ہو جاؤ یا سچوں کے ساتھ رہو۔ یعنی وہی عقائد اختیار کرو وہی اعمال کرو جو سچوں کے عقائد و اعمال ہیں۔ اسی راستہ پر چلو۔ جو سچوں کا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ. صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ جس سے معلوم ہوا کہ رب کا سیدھا راستہ وہی ہے۔ جو اس کے نیک بندوں کا ہو۔ بے شک قرآن و حدیث ہدایت کے لئے کافی ہیں۔ مگر اس کا وہی مطلب نکالو جو عام مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف نہ ہو۔

آج قادیانی، دیوبندی کہتے ہیں: خَاتَمُ النَّبِيِّينَ کے معنی یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ بلکہ یہ کہ آپ اصلی نبی ہیں۔ یہ تفسیر عقیدۂ مسلمین کے خلاف ہے اسے نہ سنو۔ غیر مقلد کہتے ہیں۔ تقلید شخصی کفر و شرک ہے صرف قرآن و حدیث کافی: اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ یہ بھی عام مسلمانوں کے عقیدے و عمل کے

خلاف ہے۔ سارے محدثین، فقہاء، مفسرین وصوفیاء مقلد گزرے۔ لہٰذا یہ تفسیر غلط ہے۔
سارے دیوبندی کہتے ہیں کہ غیر خدا سے مدد لینا کفر ہے۔ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ یہ تفسیر بھی
عام مسلمانوں کے عقیدے وعمل کے خلاف ہے سارے فقہاء، محدثین، صوفیاء ومفسرین اور
عام مسلمان اللہ کے نیک بندوں سے مدد لیتے رہے۔ لہٰذا یہ تفسیر غلط ہے۔

غرض کہ یہ قرآنی حکم ایسا اعلیٰ ہے جس پر عمل کرنے سے انسان کبھی گمراہ ہو سکتا ہی نہیں۔ آج ۷۲ر فرقے مسلمانوں میں اسی لئے بن گئے۔ کہ ہم نے سچوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ہر فرقہ اپنے ہاتھ میں قرآن وحدیث لئے ہوئے ہے۔ لیکن مسلمان اگر اس قاعدے کو مضبوط پکڑے رہے تو گمراہی سے بچے رہیں گے۔

خیال رکھو کہ علماء ہر فرقہ میں موجود ہیں۔ شیطان خود بڑا علم والا ہے۔ مگر صوفیاء، اولیاء سوائے حق فرقہ کے کسی میں نہیں۔ جب تک دین موسوی منسوخ نہیں ہوا تھا۔ تب تک اس میں ہزاروں اولیاء اللہ ہوئے۔ اصحابِ کہف، حضرت مریم، آصف ابن برخیاسب بنی اسرائیل ہی میں ہوئے۔ مگر جب وہ دین منسوخ ہو گیا۔ ولایت بھی اس سے ختم ہوگئی۔ اس طرح اسلام میں آج ۷۳ر فرقوں میں سے سوائے مذہب اہل سنت کے اولیاء اللہ کسی میں نہیں۔

دیوبندی، وہابی، قادیانی، چکڑالوی وغیرہ میں اولیاء کہیں نہیں۔ اہل سنت میں سارے اولیاء اللہ گزرے۔ اور اب بھی اولیاء اللہ صادقین کی اعلیٰ جماعت میں ہیں ان کے ساتھ رہو۔ کیوں کہ علماء بن کر کہتے ہیں۔ اور اولیاء اللہ دیکھ کر۔

سچوں کے ساتھ رہنا تین طرح کا ہے: (۱) جسمانی۔ (۲) جنانی۔ (۳) روحانی۔
ان کی مجلس میں حاضری دینا جسمانی ہمراہی ہے۔ ان سے محبت رکھنا جنانی اور دلی ہمراہی ہے۔ ان کے سے عقیدے واعمال اختیار کرنا روحانی ہمراہی ہے۔ اگر تینوں قسم کی ہمراہی نصیب ہو جائے تو زہے نصیب۔ ورنہ

ی اور روحی ہمراہی کے بغیر جسمانی ہمراہی بیکار ہے۔

ابو جہل جسما حضور علیہ السلام سے قریب رہا۔ اور حضرت اویس قرنی جسما دور رہے۔ مگر قلبی معاملہ الٹا تھا کہ ابو جہل دور تھا۔ اور حضرت اویس قرنی پاس، لہٰذا وہ مردود ہوا، اور اویس محبوب ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ عقائد میں اعمال میں سچوں کے ساتھ رہو۔

لطیفہ: کسی نے ایک واعظ سے پوچھا کہ مومن کا دل کہاں رہتا ہے؟ اس نے کہا بائیں پہلو میں پستان کے نیچے وہ بولا کہ اس جگہ تو کافر مشرک اور منافق کا دل بھی ہوتا ہے۔ میں تو مومن کے دل کی جگہ پوچھ رہا ہوں اگر اس کا دل بھی یہاں ہی ہو تو مومن اور کافر میں فرق کیا رہا؟ واعظ صاحب خاموش ہو گئے۔

مجمع میں کوئی اہل دل بھی تھا۔ وہ بولا کہ مومن کا دل دلبر کے پاس رہتا ہے۔ اور عارف کے دل میں دلبر رہتا ہے۔ مومن کے دل کا مقام دلبر کا آستانہ ہے۔ اور عارف کا دل دلبر کا کاشانہ ہے۔ القلب بین اصبعین من اصابع الرّحمٰن حدیث پاک کا فرمان ہے۔

ہو سامنے روضہ کی جالی وہ دن وہ مہینہ آجائے
یا دل ہی مدینہ جا پہنچے یا دل میں مدینہ آجائے
سینے میں جو آجاؤ بن آئے مرے دل کی
سینہ تو مدینہ ہو دل اس کا ہو سودائی
یہ دل ہو خدا کا گھر سینہ ہو ترا مسکن
پھر کعبہ و طیبہ کی پہلو میں ہو یکجائی!

غرض کہ سچوں کے ساتھ رہو تو اس طرح کہ دل میں صادق کو لے لو یا دل صادق کو دے دو۔

صد کتاب و صد ورق در نار کن

روئے دل را جانب دلدار کن

انسانی فطرت ہے کہ صحبت کا اثر لیتا ہے۔ چوروں کے پاس بیٹھنے والا چور بن جاتا ہے۔ عالم اور شاعروں کی صحبت میں انسان عالم و شاعر بن جاتا ہے تو اگر سچوں کے ساتھ رہے گا تو انشاء اللہ سچا بن جائیگا۔

صحبت کا اثر تو بے جان چیزوں پر بھی پڑ جاتا ہے۔ دیکھو یوسف علیہ السلام کی قمیص میں نابینا آنکھ کو بینا کرنے کی خاصیت کیوں پیدا ہوئی صرف اس لئے کہ وہ سچے کے پاس رہی اور جبرئیل علیہ السلام کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک میں بے جان بچھڑے کو جان بخشنے کی تاثیر کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ اسے سچے سے دور کا علاقہ ہوا۔ جب بے جان مٹی اور کپڑے میں صحبت کا اثر آ گیا تو انسان پھر بھی عقل والا ہے ضرور اثر لے گا۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ساری عبادات سے بڑھ کر اچھا ساتھ ایمان کا ہے۔ دیکھو قرآن، کعبہ شریف کا دیکھنے والا صحابی نہیں ہوتا۔ مگر ایمان کے ساتھ نبی کے پاس ایک ساعت بیٹھ لے صحابی ہو گیا۔ اور صحابی تمام اولیاء اللہ سے افضل ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی تمام چیزیں موجود ہیں۔ کعبہ، روزہ، نماز، قرآن مگر صحابیت ختم ہو چکی۔ کیوں کہ صحبت اور قرب رب کی وہ نعمت ہے جس سے کایا پلٹ جاتی ہے۔ دیکھو پانی کی طبیعت ٹھنڈی اور تر ہے۔ اور آگ کی طبیعت گرم و خشک۔ لیکن جب پانی آگ پر رکھ دیا جائے تو آگ کی طرح اثر کرتا ہے۔ جسم پر آبلہ ڈال دیتا ہے۔ یہ پانی کا اثر نہیں بلکہ آگ کے قرب کا اثر ہے۔

انسان فطرتاً کمزور ہوتا ہے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا لیکن جب اسے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ تو ربانی قوتوں سے کام کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہوا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ سے چاند چیرا، سورج واپس کیا۔ یہ فطرت

انسانی کی طاقت نہ تھی بلکہ ربانی قدرت کا ظہور تھا۔

سلطنت کے حکام کی طاقت اپنے اعضاء کی طاقت نہیں بلکہ حکومت سے نسبت کی طاقت ہے جو حکومت ربانی کے حکام ہوں ان کا کیا پوچھنا۔

اولیاء اللہ اور اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ میں فرق نہ کرنا جہالت ہے۔ اولیاء من دون اللہ رب تعالیٰ سے دور ہیں۔ شیطان سے قریب، اور اولیاء اللہ شیطان سے دور ہیں۔ رب تعالیٰ سے قریب، ہم ان میں سے جس کو دوست بنائیں گے۔ اسی کے رنگ میں رنگے جائیں گے۔

حکایت: مثنوی شریف میں ہے کہ ایک عابد رب کی یاد میں مشغول تھا۔ اس کے پاس شیطان آکر بولا کہ تو کسے یاد کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ رب تعالیٰ کو، شیطان بولا کہ تو نے اتنا عرصہ اسے پکارا کبھی اس نے جواب میں لبیک کہا؟ عابد بولا کہ آج تک تو میں نے نہیں سنا۔ شیطان بولا کہ ایسے کو پکارنے سے کیا فائدہ؟ جو پکار کا جواب نہ دے تو مجھے پکار اور مجھ سے قرب حاصل کر!

دیکھ میں لبیک کہتا ہوں یا نہیں۔ عابد اس کے بہکانے میں آ گیا۔ اور اس دن اس نے نمازِ عشاء نہ پڑھی۔ خواب میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ تو نے آج نماز کیوں نہ پڑھی؟ عابد نے جواب دیا کہ جب تو میری پکار پر لبیک ہی نہیں کہتا تو میرا پکارنا بیکار ہے جواب ملا۔

گفت اللہ گفتنت لبیک ماست
ایں گداز و سوز دور دانہ بیک ماست

حکایت: اسی مثنوی شریف میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر جماعت صحابہ کی دعوت تھی۔ کپڑے کا دسترخوان جو لایا گیا وہ میلا تھا۔ آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ میں اسے صاف کر دوں۔ کہہ کر اسے جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیا۔ اور کچھ دیر بعد نکالا۔ تو اس کا میل تو جل گیا تھا لیکن کپڑا بالکل محفوظ تھا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا:

قوم گفتند اے صحابی عزیز

چوں نہ سوزند و منغ گشت نیز

گفت روزے مصطفیٰ دست و دہاں

بس بمالیدند ایں دستر خواں

اے دل ترسندہ از نار عذاب

باچنیں دست و دہان کن اقتراب

ہم چوں جامہ را چنیں تشریف داد

بس دل عاشق چناں خواہد کشاد

یعنی اے جابر رضی اللہ عنہ یہ دستر خوان جلا کیوں نہیں؟ اور صاف کیوں ہو گیا؟ فرمایا کہ ایک دن حضور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے اپنا منہ اور ہاتھ پونچھ لیا تھا۔ اس روز سے یہ آگ میں نہیں جلا کرتا۔ اے دل اگر تو بھی دوزخ کی آگ سے ڈرتا ہے تو ایسے مبارک منہ اور ہاتھ شریف کا قرب حاصل کرلے۔ جب بے جان کپڑے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرب سے یہ فیض حاصل ہو گیا۔ تو تو عاشق مومن ہے تجھے کیا کچھ نہ ملے گا؟

وماعلینا الا البلاغ

☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

ترجمہ: سب مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ لہٰذا اپنے بھائیوں میں صلح کرو اور اللہ سے ڈرو، شاید تم رحم کئے جاؤ۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے صلح کرانے کا حکم دیا ہے۔ اس جگہ چند چیزوں پر غور کرنا ہے۔ مومن کون لوگ ہیں؟ اخوت یعنی بھائیوں سے کیا مراد ہے۔ اَصْلِحُوْا یعنی صلح کرادو، اس کا کیا مطلب ہے؟

خیال رہے کہ اس سے پہلے یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ کہ چونکہ مسلمان لڑنے، خون خرابہ کرنے کے بعد بھی مسلمان ہی رہتا ہے اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں صلح کرادینا ضروری ہے۔ گویا پہلے حکم تھا اور اب وجہ حکم کا بیان ہے۔ اس مناسبت سے اس آیت کے بعد اس آیت کا ذکر فرمایا گیا۔

مُؤْمِنُوْنَ سے مراد ساری امت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل نہیں۔ کیوں کہ قرآن کریم میں جہاں یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرمایا جائے یا مُؤْمِنُوْنَ بولا جائے۔ وہاں نبی مراد نہیں ہوتے چند وجہ سے۔

ایک یہ کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جہاں پکارنا ہوتا ہے وہاں یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ، یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ۔ یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ فرمایا جاتا ہے۔ عام خطاب سے حضور علیہ السلام کو پکارا ہی نہیں جاتا ہم کو بھی حکم دیا ہے کہ لَا تَجْعَلُوْا

دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا یعنی پیغمبر کو نہ پکارو جیسے ایک دوسرے کو پکار لیتے ہو۔ دوسرے اس لئے کہ اکثر جگہ یَـاَیُّهَـا الَّذِیْنَ کے بعد ایسے احکام بیان ہوتے ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جاری نہیں ہو سکتے جیسے اے ایمان والو۔ اللہ ورسول اور امر والوں کی اطاعت کرو۔ یا اے ایمان والو! نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو یا اے ایمان والو! اللہ ورسول سے آگے نہ بڑھو ظاہر ہے کہ یہ احکام حضور علیہ السلام پر جاری نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح یَـاَیُّهَـا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ، اور یَـاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ میں بھی حضور علیہ السلام سے خطاب نہیں ہو سکتا کیوں کہ قصاص ظلم کے بدلہ میں ہی ہوتا ہے۔ اور ظلم کرنا گناہ ہے نبی گناہ سے معصوم ہیں۔ اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کو کچھ سزا دیں تو قصاص نہیں کہ جب استاد شاگرد کو، باپ اولاد کو، مولیٰ اپنے غلام کو قصاص نہیں دیتا تو پیغمبر امتی کو قصاص کیوں کر دیں اور جمعہ کی نماز میں سب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف بلایا گیا ہے۔ حضور ہی تو ذکر اللہ ہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

تیسرے اس لئے کہ نماز وغیرہ کے احکام پر حضور علیہ السلام نزول قرآن سے پہلے ہی عامل تھے پھر آپ کو یہ احکام دینا بے معنی ہیں۔

سرکار نے بچپن شریف میں بھائیوں کے لئے پستان چھوڑا

بھائیوں کے لئے ترک پستان کریں
دودھ پیتے کی نصفت پہ لاکھوں سلام

ظہور نبوت سے پہلے نماز، روزہ چلہ کشی غرض سارے احکام پر عمل فرمایا۔ لہٰذا ان احکام کی آیتوں میں بھی اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضور نہیں۔ نیز اٰمَنُوْا سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں آکر ایمان لائے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایمان لا کر دنیا

ہیں تشریف لائے آمَنُوا سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا ایمان بالغیب ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایمان شہودی ہے کہ رب تعالیٰ کو جنت، دوزخ، قیامت سب کو ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح یہاں مُؤْمِنُوْنَ میں حضور کی امت داخل ہے۔ خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم داخل نہیں۔ لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھائی نہیں کہا جا سکتا۔ کیوں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سارے مسلمانوں کو دینی بھائی بنا دیا۔ اللہ کے تمام بندے بھی آپس میں بھائی بھائی نہیں۔ دیکھو شیطان بھی اللہ کا بندہ ہے۔ اور تمام جانور بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ کوئی شریف انسان ان کا بھائی بننا پسند نہ کرے گا۔ مگر حضور علیہ السلام کے امتی آپس میں بھائی ہیں۔ اور جو دوسروں کو بھائی بنائے وہ خود نہیں ہوتا۔ جیسے باپ نے اپنی اولاد کو آپس میں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔

لیکن خود باپ ان میں سے کسی کا بھائی نہ بنا۔ بھائیوں کی بیوی بھابھی کہلائی اور حلال رہی۔ مگر باپ کی بیوی ماں کہلائی اور ہم پر حرام رہی۔ حضور کی بیویاں ہماری مائیں ہیں۔ اور ہم پر حرام ہیں تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس حکم میں داخل نہیں۔

نیز اگر اس حکم میں حضور بھی داخل ہوں گے تو آیت کے معنی فاسد ہو جائیں گے۔ کیوں کہ مقصد یہ ہے کہ اگر دو مسلمان بھائی آپس میں لڑیں، گالی گلوچ کریں، مار پیٹ کریں تو ان میں صلح کرادو۔ اب مطلب یہ ہو جائے گا کہ اگر کوئی امتی نبی سے لڑے تو اس امتی اور نبی کی صلح کرادو۔ حالانکہ نبی سے لڑنے والا تو کیا ان کے سامنے بے ادبی سے چیخ کر بولنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے، جیسا کہ اسی سورت میں آچکا ہے۔

اور حضور ﷺ کو یَاۤ اَیُّھَا النَّبِیُّ، یٰۤاَیُّھَا الرَّسُوْلُ، یٰۤاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ، یٰۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ فرمایا جاتا ہے عام خطاب سے حضور علیہ السلام کو پکارا ہی نہیں جاتا۔ ہم کو بھی حکم دیا ہے کہ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا یعنی پیغمبر کو نہ پکارو جیسے ایک دوسرے کو پکار لیتے ہو۔ دوسرے اس لئے کہ اکثر جگہ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ کے

بعد ایسے احکام بیان ہوتے ہیں۔ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جاری نہیں ہو سکتے۔ جیسے اے ایمان والو، اللہ اور رسول اور امر والوں کی اطاعت کرو۔ یا اے ایمان والو! نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو۔ اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو۔ ظاہر ہے کہ یہ احکام حضور علیہ السلام پر جاری نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ، میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ قصاص ظلم کے بدلہ میں ہوتا ہے اور ظلم کرنا گناہ ہے۔ نبی گناہ سے معصوم اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کو کچھ سزا دیں تو وہ ظلم نہیں۔

بعض روایات میں جو آتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ذات کریمہ کے متعلق فرمایا: اَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ اپنے بھائیوں کی یعنی ہماری تعظیم کرو۔ صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میرے صحابہ ہو۔ اور میرے بھائی وہ ہوں گے جو بعد کے زمانہ میں ہوں گے۔ اس میں سرکار کی انتہائی تواضع ہے یہ لفظ حضور ہی کے منہ سے بجتا ہے۔ ہم ایسا کہیں تو گستاخ ہیں۔

اگر بادشاہ اپنی رعایا سے کہے کہ میں تمہارا خادم ہوں تو یہ اس کا کمال ہے۔ لیکن اگر رعایا میں سے کوئی اسے اپنا خادم کہہ کر پکارے تو مجرم ہے۔ علمائے کرام اس جیسی احادیث کی یہ توضیح فرماتے ہیں کہ اس میں اپنے غلاموں کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے۔

حکایت: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک بڑھیا گھبرائی ہوئی آئی اور عرض کیا کہ میرا پوتا چھت پر کھیلتے کھیلتے چھت کے بالکل کنارے تک پہنچ گیا ہے۔ اور اس کی ماں اور سب ہی اس کو بلاتے ہیں وہ نہیں آتا اگر ہم پکڑنے کے لئے اس کی طرف جائیں۔ تو خطرہ ہے کہ وہ آگے بڑھ جائے اور گر جائے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے کسی ہم عمر بچے کو اس کے سامنے کرو۔ اور

اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں رکھو تاکہ یہ اُدھر نہ پہنچ جائے۔ اور اس کے پیچھے تم بیٹھو۔ جب وہ بچہ اِدھر آجائے تو اسے پکڑلو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس تدبیر سے وہ بچہ اس طرف آگیا اور ماں نے اسے پکڑ لیا۔

تمام دنیا جہنم کے کنارہ پر پہنچ گئی تھی۔ رب تعالیٰ کی مرضی تھی کہ یہ اِدھر سے ہٹ کر جنت کے دروازہ پر آجائیں۔ اگر بلاواسطہ رب تعالیٰ انھیں اپنی طرف بلاتا۔ تو یہ لوگ مختلف جنس ہونے کی وجہ سے کبھی اِدھر نہ آتے۔ رب تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ انھوں نے کبھی تو اعلان فرمایا کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کبھی ہم کو بھائی فرمایا لوگ مناسبت جنسی دیکھ کر اس طرف مائل ہوئے۔ حضور کا ہاتھ رب کے ہاتھ میں ہے۔ یہ لوگ ادھر آئے کہ رحمت خداوندی نے دستگیری فرما کر انھیں اپنے کرم میں لے لیا خود فرماتا ہے: کُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِنْهَا۔

ترجمہ: تم جہنم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ رب تعالیٰ نے تمھیں اس سے بچالیا۔

نیز جن پیغمبروں کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا کہ ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا۔ وہاں نہ تو دینی بھائی چارہ ہے نہ یہ کہ ان لوگوں کو اجازت دی گئی تھی کہ نبی کو بھائی کہہ کر پکاریں۔ بلکہ محض یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ دوسری جگہ سے نہ آئے تھے بلکہ اسی قوم میں سے تھے۔

یہ بھی خیال رہے کہ مسلمان دو طرح کے ہیں قومی مسلمان اور دینی مسلمان قومی مسلمان وہ جو اپنے کو مسلمان کہیں اور مردم شماری میں ان لوگوں کی گنتی مسلم قوم میں ہو یہودی، عیسائی اور ہنود میں نہ ہو مگر دینی مسلمان وہ ہیں جو کسی ضروریات دین کا انکار نہ کریں شریعت انھیں مسلمان کہتی ہو۔

یہ دو قسم کے مسلمان زمانہ رسالت سے ہی چلے آرہے ہیں۔ چنانچہ منافقین کو قوم مسلم میں شمار کیا جاتا تھا کہ نہ ان سے جہاد ہوا نہ ان سے کچھ تعرض کیا گیا مگر

مخلصین مؤمنین کو فضائل سے نوازا گیا۔
آج بھی سب، رافضی، وہابی قوم مسلم ہیں۔ اگرچہ شرعاً وہ دین سے خارج ہیں مرتد ہیں۔ اسی لئے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَةً کُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً۔
ترجمہ: میری امت کے ۷۳ فرقے ہوں گے۔ ایک کے سوا سب دوزخی ہوں گے ان سب کو اپنی امت فرمایا یہ قوماً امت ہے نہ کہ مذہباً۔
یہاں اَلْمُؤْمِنُوْنَ میں صرف دینی مسلمان مراد ہیں۔ یعنی صحیح العقیدہ مسلمان کی دنیاوی معاملہ میں لڑ جھگڑ پڑیں تو ان کی صلح کرادی جائے۔ قومی مسلمان مراد نہیں لہٰذا مرزائی، وہابی وغیرہ سے صلح نہ کی جائیگی۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے مُؤْمِنُوْنَ فرمایا مُسْلِمُوْنَ نہ فرمایا۔ قومی مسلمانوں کے لئے یہ آیت پڑھو: اِنَّ مِنْ ازواجکم و اولادکم عدولکم فاحذروھم تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں۔ ان سے بچے رہنا ان سے صلح کرنا تو کیا معنی، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی حرام ہے ان کے بارے میں سرکار نے فرمایا: اِیَّاکُمْ وَاِیَّاهُمْ لَایُضِلُّوْنَکُمْ فَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ تم ان سے دور رہو انھیں اپنے سے دور رکھو۔ وہ تمہیں کہیں گمراہ نہ کردیں کہیں فتنہ میں مبتلا نہ کردیں۔
بری صحبت برائیوں کی جڑ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

نوریاں مر نوریاں را طالب اند
ناریاں مر ناریاں را جاذب اند

یہ تفسیر مُؤْمِنُوْنَ کی تھی جس کا لحاظ ضروری ہے۔ اِخْوَةٌ یہ لفظ اَخٌ کی جمع ہے۔ اَخٌ کا ترجمہ ہے بھائی۔ عرب ایک اصل کی دو شاخوں کو اخ کہہ دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک جنس کے دو فردوں کو اُخت یا اَخٌ بول دیتے ہیں۔ بھائی کئی طرح کے ہوتے ہیں۔
(۱) نسبی بھائی (۲) دودھ شریکے بھائی یعنی رضائی (۳) وطنی وملکی بھائی (۴) قومی

بھائی (۵) پیشہ کے بھائی (۶) کاروبار کے بھائی (۷) استاد بھائی (۸) پیر بھائی (۹) دینی بھائی۔

یعنی مسلمان بھائی لیکن پہلے آٹھ بھائی بیچارے کمزور وفانی ہیں کہ قیامت میں بکام آئیں، نہ قبر میں، لیکن دینی بھائی ہونا ایسا مضبوط رشتہ ہے کہ ہر جگہ قائم رہتا ہے اگر سگا بھائی کافر ہو تو مسلمان بھائی نہ اسے غسل دے نہ کفن، نہ دفن کرے نہ اس کی میراث پائے۔

اجنبی مسلمان جس سے ہمارا کوئی رشتہ نہ ہو۔ اس کا کفن دفن سب ضروری ہے اس لئے نماز کے آخر میں پڑھتے ہیں۔ ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب۔ اے اللہ سارے مسلمانوں کو بخش دے وہاں پیر بھائی، استاد بھائی، ملکی بھائی کا ذکر نہیں بلکہ ہر مسلمان کا ذکر ہے۔

ایک باپ چند شخصوں کو بھائی بنا سکتا ہے۔ ایک ملک یا پیشہ یا استاد یا پیر تھوڑی جماعت کو بھائی بنا سکتا ہے۔ لیکن اکیلے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے سارے جہاں کے مسلمانوں کو بھائی بنا دیا نہ قوم کی قید رکھی نہ ملک کی، نہ زبان کی ایسی زبان سے اخوت پیدا کرنے والا نہ کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہوگا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

چونکہ اور برادری کی بنیاد دنیا والوں پر تھی۔ اور دینی برادری کی بنیاد ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر تھی۔ اور بنیاد کی مضبوطی سے دیوار کی پختگی ہوتی ہے۔ اسی لئے دینی برادری مضبوط رہی، صحابہ کرام کی مقدس جماعت کو دیکھو تو پتہ لگے گا کہ۔

لگایا تھا مالی نے ایک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا
کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی
زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

جیسے جلنے سے پہلے ہر لکڑی کے نام، کام اور قیمت علیحدہ تھی مگر آگ لگنے کے بعد سب راکھ کہلائے شہد بنے سے پہلے ہر پھول کے رس کا نام، کام، رنگ و بو الگ تھے مگر شہد بنے کے بعد اب نہ گلاب گلاب رہا نہ بیلا بیلا بلکہ سب کا نام شہد ہو گیا۔

اسی طرح اسلام سے پہلے بلال حبشی اور ابو بکر صدیق علیحدہ علیحدہ باغوں کے پھول تھے۔ مگر محبت پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے ایک ہو گئے۔ نگاہِ یار نے ان سب کو ایک رنگ کر دیا۔

صبغۃ اللہ ہست رنگِ خم او

پیشہا یک رنگ گردد اندر او

اب نہ نسب کا فرق رہا نہ قوم کا، نہ ملک کا ۔

بندہ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی!

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

رب تعالیٰ نے فرمایا: هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ تم پہلے کچھ بھی نہ تھے۔ اب تو رب تعالیٰ نے تم سب کا نام مسلمان رکھ دیا۔ اسی طرح قبر میں یہ نہیں پوچھتے کہ تم کس کے بیٹے تھے کس ملک کے تھے؟ بلکہ یہ پوچھتے ہیں کہ کس کی امت میں تھے؟ اب ملک کہاں کا دولت کہاں کی، عاشقِ رسول کا تو یہ حال ہونا چاہئے کہ ۔

پوچھا کہ تیرا نام کیا؟

میں نے کہا شیدا تیرا

پوچھا کہ تیرا کام کیا؟

میں نے کہا چرچا تیرا

پوچھا کہاں رہتا ہے تو؟

میں بولا کوئے یار میں

پوچھا کہ تیرا کیا پتہ؟
میں نے کہا کوچہ تیرا
پوچھا کہ تیری قوم کیا؟
مَیں بولا قوم بندگان
پوچھا کہ تیری کیا غذا؟
میں نے کہا سودا تیرا
من تو ہر دو خواجہ تا شانیم
بندۂ بارگاہِ سلطانیم

اس لئے ارشاد ہوا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔

دنیاوی بھائیوں کا یہ حال ہے کہ بڑا آدمی چھوٹے آدمی کو بھائی نہیں بناتا۔ اگر چہ چھوٹا اس کا سگا بھائی ہو۔ لیکن دینی رشتہ ایسا ہے جس نے امیر، غریب، گنہگار، پرہیزگار، سب کو ایک کر دیا۔ اس رشتہ میں کوئی مسلمان کسی مسلمان سے نفرت نہیں کر سکتا۔ اسی لیے دنیا میں تفریق ہے اور دین میں جمع ہے دنیا میں کوئی تخت پر ہے، کوئی فرش پر کوئی فرشِ خاک پر کوئی محل میں ہے۔ کوئی جھونپڑے میں لیکن مسجد میں، کعبہ میں، قبرستان میں سب ایک جگہ ہیں۔ وہ دنیا تھی یہ دین ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و مالک و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اس آیت میں مسلمانوں کو عجز و انکساری کی تعلیم دی گئی ہے۔ کوئی کتنا ہی بڑا ہو۔ مگر ہر چھوٹے سے چھوٹے مسلمان کو اپنا بھائی اور اپنے برابر جانے۔

انسان کی پیدائش خاک سے ہے۔ اور خاک میں عجز و نیاز ہے کہ چاہے اس کی مسجد بنا دو یا پاخانہ وہ کچھ نہیں کہتی اس عجز کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارے پھل، پھول، باغ، بہار، چشمے، کانیں اسی خاک سے پیدا ہوئے۔ اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ، انبیاء، اولیاء کے مقابر عظام اسی خاک پر واقع ہوئے۔

آگ میں تکبر، غرور، تڑپ ہے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ اس میں نہ پھل لگے نہ پھول، خاک سب کو بناتی ہے۔ اور آگ بگاڑتی ہے۔ باغ میں آگ لگا دو تو برباد ہو جائے گا۔

اسی طرح عجز و انکسار والا انسان اپنے دل میں تقویٰ، طہارت، ایمان اور عرفان کے پھول لگائے۔ اور متکبر انسان ان سب سے محروم رہے گا اس لیے متکبر انسان کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ کیوں کہ دنیا میں اس کے دل میں غرور کی آگ تھی۔ آگ سے آگ مل گئی۔

لطیفہ: بڑے بڑے درخت یا تو پھل سے خالی رہتے ہیں۔ جیسے شیشم اور ببول وغیرہ یا بہت چھوٹے پھل پاتے ہیں۔ جیسے آم، چلغوزہ انار وغیرہ، کیوں کہ ان میں گویا غرور ہے۔ اکڑے کھڑے ہیں۔ اور کمزور معمولی بیل جو عجز و نیاز سے سجدے میں پڑی رہتی ہے۔ اسے رب تعالیٰ نے عجز کی وجہ سے بڑے بڑے پھل عطا فرمائے۔ بیس بیس سیر کے تربوز، کدو، پیٹھا، پھر بیل نے بزبان حال عرض کیا کہ مولیٰ میں کمزور، اتنے وزنی پھل کا وزن نہیں اٹھا سکتی۔ رب تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کے پھل کا بوجھ تو اٹھا لے عرض کیا کہ پھل بیل کا اور بوجھ زمین کا۔

یہ ہی حال عاجز اور متکبر انسان کا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ سارے مسلمان بھائی ہیں۔

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ یہ گزشتہ مضمون کا نتیجہ ہے۔ یعنی چونکہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھی بھائی ہے لہٰذا اگر دو مسلمان آپس میں لڑ پڑیں تو تم لوگ بیچ میں پڑ

کر ان کی صلح کرادو کیوں کہ مومن کی لڑائی، مومن سے عارضی ہوسکتی ہے دائمی نہیں ہوسکتی۔ نماز میں، حج میں، موت میں، قبر میں، محشر میں، جنت میں ہر جگہ ایک دوسرے سے ملیں گے۔ نماز میں ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے بخشش کے لئے دعا کرتا ہے۔ پھر دشمنی دائمی کیسے ہوسکتی ہے۔ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ۔ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ. ہم ان کے دلوں کی تمام کدورتیں نکال دیں گے۔ وہ آپس میں بھائی ہوکر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔ اور کافر کی دوستی خواہ مسلمان سے ہو یا کافر سے عارضی ہے۔ جس کی بقا نہیں۔ لہٰذا کافروں سے دوستی کرنے کی کوشش نہ کرو اور مسلمانوں سے دشمنی نہ رکھو۔

فَاَصْلِحُوْا میں خطاب یوں تو عام مسلمانوں سے ہے۔ کہ جب دو مسلمان لڑ پڑیں تو برادری والے، محلے والے کوشش کر کے صلح کرادیں لیکن بادشاہ، حاکم، استاد، پیر، ماں باپ اور ذی اثر لوگوں سے خصوصی، خطاب ہے کہ جب رعایا میں نااتفاقی ہو تو بادشاہ یا حاکم صلح کرائے اگر شاگرد لڑ پڑیں تو استاد اور مرید لڑ پڑیں تو پیر اور نسبتی بھائی لڑیں تو ماں باپ صلح کرادیں اگر نہ کرائیں گے تو ان کی قیامت میں پکڑ ہوگی۔

صلح کرانے کا مطلقاً حکم دیا گیا ہے تو صلح کی قسمیں اور اس کی صورتیں بہت ہیں اگر دین کی وجہ سے جھگڑا ہے۔ تو بے دین سے توبہ کرا کر صلح کرادیں۔ اگر دنیاوی کام میں جھگڑا ہے تو اگر ایک نے دوسرے کو جانی نقصان پہنچایا ہے تو قصاص دلوا کر صلح کرادیں اگر مالی نقصان پہنچایا ہے یعنی قرض یا امانت ماری ہے تو یہ ادا کرادیں اگر یوں ہی باتوں باتوں کی لڑائی اور گالی گلوچ ہوئی ہے تو ظالم سے معافی منگوا کر اور مظلوم سے معافی دلوا کر صلح کرادیں۔ غرض کہ جو جنگ کی وجہ ہے اسے دور کریں۔ تا کہ صلح قائم رہے یہ نہیں کہ مواد تو پھوڑے میں بھرا ہے اور اوپر سے مرہم لگا دیا جائے۔

اسی لئے سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد

کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم، مظلوم کی مدد تو یہ ہے کہ اسے ظالم کے چنگل سے بچالو اور ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے روک دو۔ غرض کہ جیسی جنگ ویسی صلح۔

فاطمہ مخزومیہ نے چوری کرلی لوگوں نے چاہا کہ معافی ہوجائے۔ مگر سرکار نے منع فرمایا دیا معاف نہ فرمایا۔ ہاتھ کٹوا کر پھر اس کے لئے دعا فرمائی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں کچھ لوگوں نے زکوٰۃ سے انکار کیا تو ان سے ویسے ہی صلح نہ کی بلکہ ان پر لشکر کشی کر کے اور توبہ کرا کر پھر صلح فرمائی۔ غرض کہ دینی مجرم، قومی مجرم، قانونی مجرم، شخصی مجرم، ان میں سے ہر ایک کی صلح کے علیحدہ علیحدہ طریقے ہیں۔ اور اس آیت کا یہ لفظ کہ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ ان سب صورتوں میں شامل ہے۔

حکایت: ایک دفعہ ہارون رشید بادشاہ اپنے دربار میں بیٹھا تھا تمام وزراء، امراء حاضر تھے کہ شہزادہ مامون رشید روتا ہوا آیا کہ مجھے فلاں سپاہی کے لڑکے نے ماں کی گالی دی ہے۔ بادشاہ نے درباریوں سے پوچھا کہ ایسے شخص کی کیا سزا ہونی چاہئے جو شہزادہ کی ماں کو گالی دے درباریوں نے خوشامد کے طور پر مختلف سزائیں تجویز کیں۔ کوئی بولا کہ اسے قتل کرایا جائے کسی نے کہا اس کی زبان کاٹ لی جائے کوئی بولا اسے شہر سے نکال دیا جائے۔ غرض کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔

سلطان نے شہزادے سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ اے فرزند! میرا فیصلہ یہ ہے کہ اگر تو بہادر ہے تو معاف کردے۔ تاکہ رب تعالیٰ تجھ پر رحم کرے اور وہ تیرا مجرم ہے تو تو بھی رب تعالیٰ کا مجرم ہے۔ تو اپنے مجرم کو بخش دے رب تعالیٰ تجھے بخشے گا اور اگر بزدل ہے تو تو بھی بدلہ میں اسے گالی دے۔ لیکن خیال رکھنا کہ اگر اس نے ایک گالی دی ہو تو تم بھی ایک سے زیادہ گالی نہ دینا۔ ورنہ ابھی تو مدعی ہے اور وہ ملزم، اور پھر وہ مدعی ہوگا اور تو ملزم اور یہ نہ خیال کرنا کہ تو بادشاہ زادہ ہے اور وہ سپاہی زادہ نہ معلوم قیامت میں تو بہتر ہو کہ وہ شہزادہ یہ بات سن کر رو پڑا اور بولا کہ میں نے اسے معاف کیا۔

مسلمانوں میں صلح کرانا ایسی نیکی ہے کہ جس کے مقابل کوئی اور نیکی نہیں تفسیر روح البیان میں اسی جگہ فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسی نیکی بتاؤں جو حج، زکوٰۃ وغیرہ تمام نیکیوں سے بڑھ کر ہو۔ وہ یہ ہے کہ میری امت میں صلح کرادو۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب سنتے کہ فلاں محلہ یا فلاں جگہ مسلمانوں میں لڑائی ہوگئی ہے تو خود وہاں تشریف لے جا کر صلح کراتے۔ ایک دفعہ ایسا بھی ہوا کہ آپ صلح کرانے تشریف لے گئے۔ اور نماز جماعت میں دیر سے واپسی ہوئی۔ یہ پورا واقعہ بخاری شریف اور نسائی میں صراحۃً مذکور ہے۔

حضرت امام حسن کو گود میں لے کر ایک بار فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سید ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

تمام نیکیوں کا فائدہ خود نیکی کرنے والے کو ملتا ہے۔ مگر صلح کرانے کا فائدہ ساری قوم بلکہ سارے ملک کو پہنچتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اوروں کو نفع پہنچانا بہت ہی اعلیٰ چیز ہے۔ اس لئے اس کا درجہ دیگر نیکیوں سے اعلیٰ ہے۔

آج مسلمانوں میں لڑنے والے بہت ہیں۔ مگر ملانے والے تھوڑے جہاں ہم سنتیں ادا کرتے ہیں وہاں صلح کرانے کی بھی سنت پر عمل کریں۔ رب تعالیٰ توفیق دے۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تین شخصوں کے لئے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انھیں ہرا بھرا رکھے۔ ایک وہ عالم جو میرے احکام میری امت تک پہنچا دے۔ دوسرے وہ خاوند بیوی جو ایک دوسرے کو نماز کے لئے اٹھائیں۔ تیسرے وہ مسلمان جو میری امت کے بچھڑے ہوؤں کو ملا دے۔ غرض کہ مسلمانوں میں صلح کرا دینا بہت ہی ثواب ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس میں یا تو صلح کرانے والوں سے خطاب ہے۔ یا لڑنے والوں سے اگر صلح کرانے والوں سے خطاب ہو تو یہ مطلب ہے کہ:

اے حاکمو! اے عالمو، اے پیرو، اے استادو! تم یہ خیال نہ کر لینا کہ وہ لڑتے ہیں تو لڑنے دو ہمیں کیا؟

نہیں بلکہ خدا کا خوف کرنا اور ضرور صلح کرا دینا۔ اگر تم نے قدرت کے باوجود مسلمانوں میں صلح نہ کرائی تو قیامت میں تمہاری پکڑ ہوگی۔

جیسے نماز، روزہ فرض ہے ایسے ہی صلح کرانا فرض ہے۔ سارے فرائض ادا کرو تب نجات ہوگی۔ اور یا یہ مطلب ہے کہ صلح کرانے میں اللہ سے خوف کرنا ایسی صلح نہ کرانا کہ جس میں کسی پر ظلم ہو جائے ورنہ قیامت میں پکڑے جاؤ گے۔

اور اگر لڑنے جھگڑنے والوں سے خطاب ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اے لڑنے والو! اگر تمہارا مقابل تم سے صلح کرنا چاہے یا کوئی صلح کرانا چاہے تو اللہ تعالیٰ سے خوف کرنا اور بلاوجہ صلح سے انکار نہ کر دینا۔ کیوں کہ کینہ رکھنے والے کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور نمازیں درست نہیں ہوتیں دل میں صفائی نہیں پیدا ہوتی۔ اور اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے سینہ میں مدینہ کی طرف سے سکینہ اترے تو اسے کینہ سے پاک رکھنا۔

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ یہاں لَعَلَّ یا تو تاکہ کے معنی میں ہے یا شاید کے معنی میں یعنی صلح صفائی دنیاوی لالچ سے نہ کرو۔ بلکہ اس لئے کہ تم پر رب تعالیٰ رحم فرمائے یا کسی عمل کی مقبولیت کا یقین نہیں ہر عمل میں امید رکھو کہ شاید قبول ہو جائے۔

وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ. عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ. عَلَّمَهُ الْبَيَانَ.

ترجمہ: رحمٰن نے حبیب کو قرآن سکھایا۔ انسان کو پیدا کیا اسے بیان سکھایا۔

یہ آیت کریمہ حمد الٰہی اور نعت مصطفائی کی جامع آیت ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنا کمال اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ سے ظاہر فرمایا ہے۔ کہ ہم ایسے کمال قدرت والے ہیں کہ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہم نے قرآن سکھایا۔

اس آیت کی تفسیر سے پہلے ایک بات بطور مقدمہ یاد رکھنی چاہیے وہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت میں مختلف آیات نازل فرمائی۔ بعض آیات میں حضور علیہ السلام کے قلب مبارک کی تعریف فرمائی بعض میں آپ کے سینہ مبارک کی تعریف فرمائی۔ بعض میں آپ کی آنکھ کی بعض میں کان شریف کی۔ بعض میں آپ کے ہاتھ مبارک اور بعض میں آپ کے پاؤں شریف کے کمالات بیان فرمائے۔

اسی طرح بعض آیات میں آپ کے اخلاق کی مدح، بعض میں آپ کے علم شریف کی عظمت، بعض میں آپ کی عمر شریف اور زمانہ پاک کا ذکر بعض میں آپ کے مکان کے آداب، بعض میں آپ کی مجلس پاک کے فضائل بیان فرمائے پھر ہر آیات میں وہ کمال ہے کہ ایک آیت کی تفسیر سارے عالم سے بھی نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ قلب مبارک کی تعریف میں فرماتا ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۔ (ترجمہ) دل نے جو کچھ دیکھا ٹھیک بیان کیا۔

سینہ فیض گنجینہ کی صفت میں ارشاد فرماتا ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ (ترجمہ) کیا ہم نے آپ کا سینہ نہ کھول دیا۔

آنکھ شریف کی یوں نعت فرمائی ہے:

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۔ (ترجمہ) آنکھ نے کوئی کوتاہی اور کجروی نہیں کی۔ سر

ہاتھ شریف کے فضائل اس طرح بیان فرماتا ہے:

وَمَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (ترجمہ) جب تم نے کنکر پھینکے تو تم نے نہ پھینکے اللہ نے پھینکے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ (ترجمہ) جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ (ترجمہ) وہ محبوب خواہش سے بولتے ہی نہیں۔ ان کا کلام وحی الٰہی ہے۔ یعنی ان کی زبان پاک پر کلام الٰہی جاری ہوتا ہے یا ان کی زبان پر خدا تعالیٰ بولتا ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود ☆ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

چوں روا باشد انا اللہ از درخت

کے روا نہ بود کہ گوید نیک بخت

اخلاقِ کریمانہ کی یوں صفت فرماتا ہے:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ (ترجمہ) اے محبوب تم یقیناً بڑے اخلاق پر ہو۔ وہ رب تعالیٰ جو ساری دنیا کو قلیل فرماتا ہے۔ وہ حضور علیہ السلام کے اخلاق کو عظیم فرما رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اخلاق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کونین سے زیادہ وسیع ہیں۔

حضور کی عمر شریف اور زمانہ مبارک کی تعریف اس طرح فرماتا ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔ (ترجمہ) تمہارے زمانہ کی قسم یہ لوگ اپنے نشہ میں حیران ہیں۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ تمہارے زمانہ کی قسم انسان خسارے میں ہے۔

حضور کے شہر کی یوں شان بتا رہا ہے۔
لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ (ترجمہ) میں اس شہر کی قسم فرماتا ہوں کہ تم اس شہر میں رونق افروز ہو۔

دوسری جگہ فرماتا ہے:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ۔

(ترجمہ) قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور اس امانت والے شہر کی۔

حضور علیہ السلام کے علم کی عظمت، بہت سی آیتوں میں بیان فرمائی۔ جن میں سے ایک آیت یہ ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ (ترجمہ) رحمٰن نے اپنے پیارے کو قرآن سکھایا۔

اس آیت میں ہر لفظ کئی ایسی وسعتیں رکھتا ہے کہ اس کی تفسیر سے زبان عاجز ہے۔ اس کی کماحقہٗ تفسیر کے لیے دفتر بھی کافی نہیں۔

اَلرَّحْمٰنُ۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دوسرا نام بیان نہ فرمایا بلکہ رحمٰن فرمایا۔ کیوں کہ کسی کو علم سکھانا، اگر محبت اور شفقت کی وجہ سے ہو تو بہت کامل طور پر ہوتا ہے اور اگر شاگرد سے محبت نہ ہو کسی اور وجہ سے تعلیم دی جائے تو اتنی کامل نہیں ہوتی۔

عالموں کے لائق بیٹے علی العموم دوسرے شاگردوں سے زیادہ فاضل ہوتے ہیں۔
یہاں فرمایا گیا کہ رحمٰن نے اپنے اس پیارے کو علم قرآن سکھایا، کیوں؟ رحمت اور محبت اور کرم کی بنا پر، لہٰذا کامل سکھایا۔ یہ دعویٰ مع دلیل ہے۔

رحمٰن، رحمت سے بنا۔ رحمت کے معنی رب تعالیٰ کے لیے ہیں۔ بغیر استحقاق کرم فرمانا۔
اگر آپ مزدور کو مزدوری پوری دیں تو یہ عدل ہے۔ رحمت نہیں اور اگر مزدوری سے کچھ زیادہ انعام بھی دیں تو یہ رحمت ہے۔ چونکہ رب تعالیٰ بندوں پر ان کے بغیر حق کرم فرماتا ہے لہٰذا وہ رحمٰن ہے۔

اس رحمت کی تین صورتیں ہیں۔ بدعمل مجرم کو بغیر حق کے بخش دینا، بے عمل کو اس کے بلا

استحقاق نعمتیں دینا، ناقص عمل والے کو اس کے حق سے زیادہ عطا فرمانا۔ یہ تینوں معنی اللہ کے لیے نہایت ہی درست ہیں ہم جیسے کروڑوں گنہگاروں کو اپنی رحمت سے بخشے گا۔

ما گنہ گاریم تو بخشش کنی

نعرۂ انی غفور می زنی

انشاء اللہ ان تینوں معنی کا ظہور قیامت میں حضور کی امت کے لیے ہوگا۔ رحمت سے رحیم بھی بنا ہے۔ اور لفظ رحمان بھی مگر رحیم کے مقابلہ میں رحمٰن میں زیادہ گنجائش ہے رحمٰن دنیا میں سب کو زرق دینے والا، رحیم آخرت میں خاص مومنوں کو بخشنے والا یا رحمٰن دنیا میں سب کو دھوپ ہوا، روزی اور روشنی وغیرہ دینے والا، رحیم دنیا میں خاص بندوں کو ایمان، علم، ولایت اور نبوت وغیرہ عطا فرمانے والا، رحمٰن ہمیشہ کرم فرمانے والا کہ ماں باپ اور دیگر مہربانوں کی طرح مہربانیاں خاص وقتوں میں۔ مگر اس کی مہربانی ماں کے پیٹ میں، زندگی میں مرتے وقت قبر میں، حشر میں، رحیم خاص اوقات میں خاص مہربانیاں فرمانے والا، کہ جذب، قلب، رقت، توجہ الی اللہ، گریہ وزاری کبھی کبھی بندوں کو بھی عطا فرماتا ہے۔

رحمٰن ہر جگہ کرم فرمانے والا، ماں کے پیٹ میں ناف کے ذریعہ رزق دے، پیدا فرما کر ماں کے پستان سے دودھ بخشے، جب بڑے ہوں تو ہماری حالت کے لائق روزی عطا فرمائے۔

رحیم خاص خاص جگہ خاص کرم کرنے والا مکہ معظمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ، مدینہ پاک میں ایک کا ثواب پچاس ہزار، غرضیکہ جیسی جگہ ویسی اس کی عطا۔

عَلَّمَ: یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصی نعت شریف ہے آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ آدم علیہ السلام کو سارے نام سکھائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ۔ ہم نے ان کو زرہ بنانے کا علم سکھایا۔ حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا: وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔

ہم نے انھیں اپنے پاس سے علم سکھایا۔

مگر ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان والا میں ارشاد ہوا۔

اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ رحمان نے قرآن سکھایا۔ جوان کی شانوں میں فرق ہے۔ وہ ہی ان کی تعلیم میں فرق ہے۔ کہ قرآن جو تمام علوم کا جامع ہے وہ ہمارے حضور کی تعلیم کے لیے منتخب ہوا۔

خیال رہے کہ ایک ہے علم بتانا، اور ایک ہے علم سکھانا یا پڑھانا، بتانے کو اعلام یا انباء کہتے ہیں۔ سکھانے کو تعلیم کہا جاتا ہے۔ اعلام میں شاگرد کا سیکھ جانا ضروری نہیں۔ مگر تعلیم میں سیکھ جانا ضروری ہے۔ جلسہ میں واعظ بہت سے مسائل بتا جاتا ہے مگر سننے والے عالم نہیں بن جاتے۔ مگر مدرسہ میں شاگرد عالم بن جاتے ہیں کہ وہاں اعلام ہے اور یہاں تعلیم۔

اسی لیے رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے لیے عَلَّمَ فرمایا۔ اور فرشتوں کے لیے فرمایا: فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ جس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو یہ علم آبھی گیا۔ مگر فرشتوں کو آدم علیہ السلام نے بتا تو دیا لیکن انھیں آیا نہیں۔ کیوں کہ وہاں تعلیم تھی اور یہاں اعلام۔

اسی طرح یہاں رب تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے عَلَّمَ فرمایا۔ یعنی انھیں قرآن ایسا سکھا دیا۔ اور یہ سورت مکی ہے اس سورت کے نزول کے وقت بہت سے قرآن کا نزول باقی تھا۔ لیکن فرمایا گیا کہ ہم نے پہلے ہی سارا قرآن سکھا دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا علم نزول قرآن پر موقوف نہ تھا۔ وہ قرآن سیکھے ہوئے ہی پیدا ہوئے۔

نیز جب فرمایا کہ رحمٰن نے انھیں سکھایا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ نہ جبرائیل کے شاگرد ہیں نہ کسی اور مخلوق کے بلکہ وہ خاص شاگرد رشید حق تعالیٰ کے ہیں۔ حضرت جبرائیل تو فقط پیغام لانے والے ہیں۔

یہ بھی پتہ لگا کہ ان کا سا علم دنیا میں کسی کو حاصل نہیں ہوا کہ سب لوگ تو انسان سے پڑھ کر عالم بنتے ہیں مگر وہ رحمٰن سے سیکھ کر عالم بنے جو استادوں میں فرق ہے، وہی سیکھنے والوں اور ان کے علموں میں فرق ہے اب جو کوئی ان کے علموں میں کمی نکالے وہ حقیقت میں یا تو اس آیت کا منکر ہے یا رب تعالیٰ کے علم کو ناقص مانتا ہے۔ جب رب تعالیٰ کامل ہے۔ اور کامل فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں قرآن سکھایا۔ تو تم ناقص کہنے والے کون؟

لطیفہ: ہم نے چکوال ضلع جہلم میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے متعلق تقریر کی۔ تو ایک وہابی نے مکان پر آکر ہم سے سوال کیا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ متشابہ آیات کو خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا: وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ۔ مَا اور اِلَّا سے معلوم ہوا کہ متشابہات کو خدا تعالیٰ کے سواء کوئی نہیں جانتا، نہ رسول اور نہ کوئی دوسرا۔

ہم نے جواب دیا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ رحمٰن نے اپنے حبیب کو قرآن سکھایا۔ بتاؤ۔ آدھا قرآن سکھایا، یا سارا، وہ بولا سارا ہم نے کہا کہ سارے قرآن میں متشابہ آیات بھی آگئیں۔ کیوں کہ وہ بھی قرآن ہیں۔ تمہاری پیش کردہ آیت میں علم کا ذکر ہے۔ اور اس آیت میں تعلیم۔ یعنی ہم ہی متشابہات کو جانتے ہیں۔ اور ہم نے حبیب کو سارا قرآن سکھایا۔ اس پر وہ خاموش ہو گیا۔

اَلْقُرْاٰنَ: قرآن قرن سے بنا۔ جس کے معنی ہیں۔ ملنا، قرآن کے معنی ہوئے علوم کا مجموعہ، لوح محفوظ کے علوم کا مجموعہ، رب لوح محفوظ کے بارے میں فرماتا ہے۔ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ۔ (ترجمہ) زمین و آسمان کی ہر غائب چیز اس روشن کتاب میں ہے۔

اور قرآن شریف کے بارے میں فرماتا ہے: وَتَفْصِيْلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ قرآن اس کتاب لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔ اس میں شک نہیں۔

اور قرآن شریف کے بارے میں فرماتا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ. عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ. یعنی سارا قرآن حضور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم میں ہے۔ تو خلاصہ یہ ہوا کہ ہر غیب و حاضر لوح محفوظ میں ہے اور سارا لوح محفوظ قرآن شریف میں اور سارا قرآن شریف نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم میں ہے لہٰذا ہر غائب وحاضر اس محبوب علیہ السلام کے علم میں ہے۔

اور اگر قرآن کے معنی ہوں سارے انبیاء کے کلام کا مجموعہ تو معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو وہ کتاب مکمل سکھائی جو سارے انبیاء کرام کے علوم کا مجموعہ ہے تو جیسے روح میں آنکھ، ناک، کان، زبان اور ہاتھ پاؤں کے سارے علوم جمع ہیں۔ اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم روح ہیں۔ اور سارے پیغمبرانِ کرام اعضاء کہ ان کے سارے علوم حضور علیہ السلام میں جمع ہیں بلکہ ان سے ہی سب کو علوم ملے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم شریف کے متعلق نہایت عجیب وغریب نکتہ بیان فرمایا کہ علم کے ناقص رہنے کی چند وجہ ہوتی ہیں۔

(۱) استاد ناقص ہو (۲) استاد تو کامل ہو مگر شاگرد پر مہربان نہ ہو (۳) کتاب ناقص ہو (۴) شاگرد ناقص ہو کہ کامل استاد سے کامل کتاب پڑھی مگر خود ناسمجھ تھا۔ حاصل نہ کر سکا۔

جب یہ چاروں وجہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں مفقود، کہ رحمٰن، پڑھانے والا جو ان پر کامل مہربان ہے۔ اور قرآن شریف کامل کتاب اور پڑھنے والے کامل تر انسان کہ ان جیسا کامل خدا کی خدائی میں نہیں۔ تو پھر علم بھی کامل ہی عطا ہوا ان چاروں باتوں کو اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ۔ وَعَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی دو قدرتیں بیان فرمائیں:

(۱) ایک انسان کی پیدائش (۲) دوسرے اسے علم سکھانا۔

اس آیت میں انسان اور بیان میں تین احتمال ہیں:
ایک یہ کہ انسان سے مراد عام انسان ہو۔ اور بیان سے مراد تمام اسماء کا علم، دوسرے یہ کہ انسان سے مراد آدم علیہ السلام ہوں۔ اور بیان سے مراد تمام اسماء کا علم۔ تیسرے یہ کہ انسان سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔ اور بیان سے مراد مَاکَانَ وَمَا یَکُوْنُ۔ کا علم ہو۔ یہ ہی تین تفسیریں روح البیان اور تفسیر صاوی وغیرہ تفاسیر میں مذکور ہیں۔

پہلی تفسیر کی بنا پر اس آیت کا منشاء یہ ہوگا کہ چار عناصر میں خاک عاجز اور کمزور مخلوق ہے کہ اس پر گندگی وغیرہ رہتی ہے سب سے نیچی ہے اس میں سکون ہے، اضطراب نہیں، اس پر گناہ وغیرہ ہوتے ہیں، تو چاہئے تو یہ تھا کہ اس ادنیٰ چیز سے ادنیٰ مخلوق پیدا ہوگی۔ مگر ہماری قدرت تو دیکھو ایسی ادنیٰ مخلوق سے اشرف المخلوقات، حضرت انسان کو پیدا کیا۔ اس پر مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ بسایا۔ اسی سے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا۔ اسی میں ان کی قیام گاہ بنایا۔ جس سے اس کا درجہ عرش سے بڑھ گیا۔

لطیفہ: صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عجز و نیازی بڑی اعلیٰ نعمت ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

عجز کارِ انبیاء و اولیاء است
عاجزی محبوب درگاہ خدا است

دیکھو آگ و پانی میں تکبر ہے۔ اور خاک میں عجز، مگر باغ، کھیت، اور سونے چاندی کی کانیں خاک میں ہیں۔ آگ میں نہیں، بلکہ اگر آگ اُگے ہوئے کھیت میں پہنچ جائے تو برباد کر دے۔

ایسے ہی اگر تکبر کی آگ عبادت کی کھیتی میں پہنچے تو راکھ بنا دے۔ جیسا کہ شیطان کا حال ہوا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

اے برادر چو عاقبت خاک است
خاک شو پیش از آنکہ خاک شوی

ہر جانور کے بچے سمجھدار پیدا ہوتے ہیں کہ پیدا ہوتے ہی کھانے، پینے، چلنے لگتے ہیں۔ مگر انسان کا بچہ ناسمجھ پیدا ہوتا ہے کہ کھانا، پینا، چلنا، پھرنا کچھ نہیں جانتا کہ رب تعالیٰ کی شان ہے کہ یہ ناسمجھ تو فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اور وہ اونٹی رہتا ہے۔

مرغک از بیضہ بر آید ہماں روزی طلبد
آدمی زادہ ندارد خرد و عقل و تمیز

اور انسان کی زبان، گائے، بھینس، ہاتھی کی زبان سے چھوٹی اور ہلکی ہے۔ مگر اس کی زبان میں یہ تاثیر ہے کہ اپنے دل کی بات کہہ سکتی ہے۔ رب تعالیٰ کا ذکر قرآن کی تلاوت کرسکتی ہے اور جانوروں کی زبان اس سے عاجز ہے۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اے انسان! تجھے دوسرے جانوروں پر بزرگی بیان کی وجہ سے دی گئی۔ تیرا نام بھی حیوان ناطق رکھا گیا۔ یعنی تو بولنے کی وجہ سے دوسرے جانوروں سے افضل ہے۔ اب ایسی بولی بول کہ جس سے تو رب تعالیٰ کا پیارا بن جائے۔ ایسی بولی نہ بول کہ جس سے تو جانوروں سے بدتر ہو جائے، تلاوتِ قرآن، نعت پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حمد الٰہی جائز باتیں ہیں۔ یہ تیری زبان کا زیور ہیں۔ زبان اگر سیدھی چلے تو زبان ہے۔ اگر ٹیڑھی چلے تو زبون یعنی بری ہے اور اگر زیادہ چلے تو زیان یعنی سراسر نقصان ہے۔

آدمی را زبان فصیح کند
جوز بے مغز را سبکساری

اس آیت میں جس بیان کا احسان جتایا گیا ہے۔ وہ وہی بیان ہے جو انسان کو جنان تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کاموں کے لیے دو دو عضو دیے۔

چلنے کو دو پاؤں، چھونے کو دو ہاتھ، دیکھنے کو دو آنکھیں، سننے کو دو کان، مگر بولنے کو ایک زبان، وہ بھی ہونٹوں کے پھاٹک میں بند اور بتیس دانتوں کے سپاہیوں میں گھری ہوئی۔ یعنی زبان کو پابند رکھو کہ زبان سے ہی آدمی بنتا ہے اور اسی سے کافر ہو جاتا ہے۔ زبان ہی عزت دلواتی ہے۔ زبان ہی جوتے کھلوا دیتی ہے۔

دوسری تفسیر کی بنا پر آیت کا منشاء یہ ہوگا کہ ہم قدرت والے ہیں جس نے مادی عالم سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اور سارے نوریوں کا انھیں خلیفہ بنایا۔ اور پیدا فرماتے ہی انھیں تمام ناموں کا علم دیا۔ اور وہ فرشتے اور ابلیس جو لاکھوں برس سے تھے۔ ان کا اس نئی مخلوق کو استاذ بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر ایسا فضل کیا۔ کہ انھیں خود اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ اور بذات خود بغیر کسی وسیلہ کے علم سکھایا۔ اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب آدم علیہ السلام کو اتنا کامل علم دیا گیا۔ تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باعث تخلیق آدم و آدمیان عالم و عالمان ہیں۔ ان کے علم کا کیا شمار ہے۔ انھیں فقط ناموں کا علم دیا۔ اور یہاں نام اور نام والے سب حضور کو دکھا دیئے۔

تیسری تفسیر سے آیت کا منشاء یہ ہوگا کہ اس رب تعالیٰ نے انسانیت کی جان محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ اور انھیں مَاکَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا کامل علم بخشا۔

بیان کے دو معنی ہیں۔ ایک چھپی چیز کو کھولنا، دوسرے الگ الگ کرنا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دونوں معنی میں بیان عطا فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رب تعالیٰ کی ذات، اس کے صفات، جنت، دوزخ، عرش ولوح وقلم، جو عالم غیب کے اسرار تھے ظاہر فرما دیئے۔ اگر یہ ذات گرامی درمیان میں نہ ہوتی تو خالق و مخلوق میں تعلق ہی نہ قائم ہوتا، اور رب تعالیٰ کے یہ اسرار کبھی فاش نہ ہوتے۔ نہ قرآن شریف ہم کو ملتا، نہ لوح محفوظ کے علوم کا پتہ کسی کو لگتا۔

یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کے طفیل حق و باطل، کفر و اسلام نور و ظلمت، حلال و حرام، سعید و شقی و دوزخی الگ الگ ہوئے۔ پہلے صدیق اور زندیق یکساں معلوم ہوتے تھے۔ پتہ نہ لگتا تھا کہ کس کے سینہ میں رب تعالیٰ نے کیا تخم امانت رکھا ہے۔ حضور علیہ السلام کے ذریعہ یہ سب علیحدہ ہوئے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے ان کو الگ کیا۔ اسی طرح عربی، عجمی، رومی، حبشی، شرقی، غربی، سیاہ و سفید کو مسلمان بنا کر الگ کر دیا: هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ۔

نوٹ ضروری: اس آیت کے کچھ بعد فرمایا جا رہا ہے: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خشک مٹی سے پیدا کیا ہے۔ جس سے پتہ لگا کہ انسان کی پیدائش خشک مٹی سے ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ انسان میں خشک مٹی کے خواص پائے جاویں۔ کیوں کہ اصل کے خواص فرع میں ہونے چاہیے۔ مٹی میں ایک خاصہ یہ ہے کہ بغیر پانی کی تری کے کوئی سبزہ وغیرہ نہیں اگا سکتی۔ پانی کی محتاج ہے اسی طرح ہم سب ایمان، تقویٰ میں نگاہ پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حاجت مند ہیں۔ جو کوئی اپنے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے پرواہ جانے وہ اپنی فطرت کو بھول گیا۔ جب تیری پیدائش مٹی سے ہے۔ اور مٹی پانی کی محتاج ہے۔ لہٰذا تو بھی کسی نگاہ کا محتاج ہے۔ پھر مٹی کو بادل کی ضرورت ہے۔ خواہ بلا واسطہ یا تالاب، دریا، کنویں وغیرہ کے واسطہ سے۔ اسی طرح نبوت کا پانی خواہ واسطہ سے ملے یا اولیاء اللہ و علماء کرام کے واسطہ سے ملے۔ پھر مٹی پانی کی اس وقت تک محتاج رہتی ہے کہ جب تک کہ کھیتی کٹ نہ جائے۔ اسی طرح ہم فقط مومن اور نمازی بن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے پرواہ نہیں ہو گئے۔ بلکہ مرتے وقت بلکہ قبر تک بلکہ حشر تک ان کے حاجت مند ہیں کہ انھیں کی شفاعت سے جنت نصیب ہو۔ انھیں ہی کی شفاعت سے جنت نصیب ہو۔

دوسرا خاصہ مٹی کا یہ ہے کہ بذاتِ خود نیچے گرتی ہے۔ اور کوئی اوپر کو پھینکے تو اوپر جاتی ہے گویا گرنا اس کی اپنی خاصیت اور اٹھنا دوسرے کی طاقت اسی طرح ہم سب دنیا کے گڑھے میں گرے۔ ضرورت تھی کہ کوئی اٹھانے والا اس پستی سے نکال کر بلندی پر پہنچائے۔ وہ اٹھانے والے وہ ہی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہیں۔ رسی میں ہوتا یہ ہے کہ اس کا ایک حصہ مالک کے ہاتھ، دوسرا حصہ نیچے والوں کے ہاتھ میں، مگر وہ رسی ایسی مضبوط کہ تمام عالم اگر اس کے قدم سے لپٹ جائیں مگر وہ ٹوٹتی نہیں، کھینچنے والا رب قوی، رسی مضبوط رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہاں ہماری گرفت قوی چاہئے۔

اس آیت میں جو فرمایا: خَلَقَ الْاِنْسَانَ. عَلَّمَهُ الْبَيَانَ. اسی علاقہ سے فرمایا گیا۔ کہ اے نیچے گرے ہوئے لوگوں اللہ نے تمہیں اٹھانے کے لیے اس محبوب کو بھیجا گناہ تو ہم اپنی قوت سے کرتے ہیں اور نیکی دوسرے کی طاقت سے۔

وما علينا الا البلاغ

☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ. مَا اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ. وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ.
مَا اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ. وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْن. اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ.

ترجمہ: تو داہنی طرف والے کیسے ہیں۔ داہنی طرف والے اور بائیں طرف والے کیسے ہیں۔ بائیں طرف والے جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے۔ وہی مقرب بارگاہ ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ جل شانہٗ نے انسانوں کے ان تین گروہوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جو قیامت میں مختلف نظر آئیں گے۔ دنیا میں ہر انسان بظاہر یکساں معلوم ہوتا ہے بلکہ کافر مسلمان کے مقابلہ میں زیادہ مزے میں ہیں۔ لیکن چونکہ قیامت کا دن اصلیت کے ظہور کا دن ہے۔ جیسے طلباء کے لیے امتحان کا دن، اور کھیت کے لیے کاٹنے کا دن۔ اس لیے وہاں انسانوں کے تین گروہ ہوں گے۔ اور ہر گروہ کی علیحدہ سزا و جزا۔ ان تین گروہوں کے نام یہ ہیں:

(۱) میمنہ والے (۲) مشئمہ والے (۳) سابقین۔

ان میں میمنہ والے اور سابقین تو جنتی ہیں۔ اور مشئمہ والے دوزخی۔ جنتیوں میں اول نمبر سابقین اور دوم نمبر میمنہ والے۔ مگر چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت کے گنہگار زیادہ پیارے ہیں۔ کہ ان کو اپنے دامن کرم میں لے کر فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا۔ اور نیک کاموں اور نیک کاروں کا علیحدہ ذکر فرمایا: وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ. نیز میمنہ والے بخشش پروردگار کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کے پاس گناہ بھی ہیں اور نیکیاں بھی اس لیے میمنہ والوں کو پہلے یاد فرمایا اور سابقین کو بعد میں۔

میمنہ: اس لفظ میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ لفظ یمن سے بنا ہو بمعنی برکت،

دوسرے یہ کہ یمین سے بنا ہو یعنی داہنا ہاتھ یا داہنی جانب۔ اسی طرح اس کے مقابل مشئمہ میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ لفظ شوم سے بنا ہو۔ یعنی نحوست۔ دوسرے یہ کہ شامہ سے بنا ہو۔ یعنی بایاں ہاتھ یا بائیں جانب۔ (روح البیان)

پہلی صورت میں آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ برکت والے آرام سے ہیں گے اور منحوس لوگ خرابی میں ہوں گے۔

لیکن خیال رہے کہ قیامت میں برکت والا وہی ہوگا جو دنیا میں برکت والا ہے۔ کیوں کہ کمائی کی جگہ آخرت نہیں بلکہ دنیا ہے اگر دنیا میں مبارک ہو گئے تو وہاں بھی مبارک۔ اور اگر یہاں منحوس ہے تو وہاں بھی منحوس۔ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ غرض جو کچھ بننا ہے یہاں بنو۔

اس صورت میں اس آیت کا فائدہ یہ ہوا کہ بعض لوگ مبارک ہیں بعض منحوس۔ لوگ ہی نہیں بلکہ بعض دن مبارک ہیں۔ بعض منحوس۔ بعض جگہ مبارک ہیں۔ بعض منحوس۔ بعض مہینے مبارک ہیں۔ دیکھو شب قدر مبارک ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ۔ ماہ رمضان مبارک ہے۔ کیوں کہ اس میں قرآن شریف اترا۔ وادی بیت مبارک ہے۔ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ۔ مدینہ طیبہ کی زمین، مکہ کرمہ کا خطہ مبارک۔ اس کے برعکس منگل کا دن منحوس ہے کہ اس دن میں حضرت حوا کو حیض شروع ہوا۔ اس دن ہابیل قتل کیے گئے۔ اسی واسطے اس دن فصد لینے سے منع فرمایا گیا۔ بدھ کا دن منحوس کہ اس دن قوم عاد پر عذاب آیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ۔

نیز جن بستیوں پر عذاب الٰہی آیا۔ وہ منحوس کہ قوم صالح علیہ السلام کے کنوئیں کے پانی سے منع فرمایا۔ بلکہ عذاب والی جگہ پر ٹھہرنے کی ممانعت فرمائی۔ حتی کہ حاجی کو حکم ہے کہ منی شریف جاتے وقت اس جگہ تیزی سے گزر جائے جہاں اصحاب فیل پر عذاب آیا تھا۔ غرض کہ جانور، زمین، زمانہ، انسان

(غیرہ) سب میں یہی ہے کہ بعض مبارک ہیں اور بعض منحوس۔ مگر اسلام میں منحوس کے معنی وہ نہیں۔ جو مشرکین سمجھتے ہیں کہ ان سے بدفالی لی جائے۔

دنیا میں مبارک دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو قدرتی طور پر بذات خود مبارک ہیں۔ (انہ)یں ذاتی مبارک کہا جاتا ہے۔ دوسرے وہ جو بذات خود تو مبارک نہ تھے مگر کسی مبارک کے دامن کرم سے لپٹ گئے اور مبارک بن گئے انھیں عارضی مبارک کہا جاتا ہے۔ دیکھو قرآن شریف بذات خود مبارک ہے۔ لیکن قرآن کا ورق، اس کی جلد، اس کی جزدان اس کی صحبت سے مبارک ہو گئے۔ کعبہ شریف بذات خود مبارک ہے۔ مگر غلاف کعبہ اس کی برکت سے مبارک ہے۔ وہ ذاتی مبارک، یہ عارضی مبارک جیسے کہ پھول بذات خود خوشبودار ہے مگر اس کے پاس رہنے والے تیل عارضی طور پر مہک جاتے ہیں سورج بذات خود روشن ہے مگر زمین اس کی برکت سے منور ہے۔

اسی طرح انسانوں میں حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذات خود مبارک ہیں۔ پھر اولیاء اللہ، علمائے صالحین، کاملین، ان کی برکت اور ان کے فیض سے مبارک ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا: وَجَعَلَنِیْ مُبَارَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ۔ مجھے رب تعالیٰ نے برکت والا بنایا ہے جہاں کہیں میں ہوں۔ جس جزدان میں قرآن شریف رہے وہ جزدان مبارک ہے تو جس زبان اور جس دل میں قرآن شریف رہے وہ بھی مبارک ہے اور پھر جس دل میں صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ گر ہوں وہ بھی یقیناً مبارک ہے۔

یہی حال اس کے عکس کا ہے کہ شیطان بذاتِ خود منحوس ہے۔ اور جو اس کی اطاعت کریں وہ عارضی طور پر اس کی وجہ سے منحوس ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ناخن ولباس وبال

سے شفاو برکت حاصل کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام کی کلی کے پانی سے زمین کو دھوتے تھے تاکہ برکت ہوجائے۔ پھر وہاں مسجد بناتے تھے۔ حضور علیہ السلام کے بال وغیرہ قبر میں رکھتے تھے۔ یہ سب اسی برکت کے لیے تھا۔ اب آیت کریمہ کے معنی یہ ہوئے کہ جو بھی برکت والا ہے۔ خواہ ذاتی طور پر یا کسی برکت والے کے صدقے سے وہ قیامت میں مزے میں ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے کہ مبارک بننے کے لیے انجام کا اعتبار ہے۔ اگر زندگی میں مومن رہا مرتے وقت کافر ہوگیا۔ وہ منحوس ہے۔ اور اگر زندگی میں کافر رہا اور مرتے وقت مومن ہوگیا تو وہ مبارک ہے۔ یہی معنی اس جگہ مراد ہیں۔ اسی لیے صوفیائے کرام ڈرتے ہیں کہ نہ معلوم ہم قیامت میں مبارک ہوں یا منحوس۔ رب تعالیٰ بے نیاز ہے۔ ایک دم میں مقبول کو مردود، اور ایک نکتہ میں مردود کو مقبول کرلے۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک شرابی تھا۔ جو چھپ کر شراب پیتا تھا۔ ایک دن مدینہ پاک کی ایک گلی سے شراب کی بوتل ہاتھ میں لیے ہوئے گزرا کہ سامنے سے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے۔ یہ انھیں دیکھ کر گھبرا گیا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے بوتل کمبل میں لپیٹ کر بغل میں دبائی۔ اور دل میں نہایت بے قراری کی حالت میں بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ مولیٰ آج میرا پردہ رکھ لے اور میں آج سے تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب شراب نہ پیوں گا مولیٰ میری توبہ!

اتنے میں آمنا سامنا ہوگیا۔ اور خلیفۃ المسلمین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب آگئے۔ آپ نے پوچھا تیری بغل میں کیا ہے؟ اس نے گھبرا کر کہا۔ حضور دودھ ہے، فرمایا اگر دودھ تھا تو تو نے اس طرح چھپایا کیوں؟ اور تیرے چہرے پر پریشانی کیوں ہے؟ اچھا دکھا۔ یہ شخص کھولنے لگا۔ مگر رعب اور خوف کی وجہ سے اس کے ہاتھ کام نہ کرتے تھے۔ جب بمشکل تمام بوتل کھولی تو اس میں بجائے شراب کے خالص تازہ دودھ تھا۔

آپ نے اس سے پوچھا کہ اس بوتل میں اس سے پہلے دودھ تو نہ تھا۔ سچ بتا

کہ ماجرا کیا ہے؟ فوراً الہام الٰہی ہوا ۔

بندۂ مارا مکن رسوا عمر

پردہ اش بردار راز او مدر

نام دارم اے عمر من ذوالمنن

از دعا کردم خمر شیریں لبن

اے عمر ہمارے بندے کو رسوا نہ کرو۔ اس کی پردہ پوشی کرو۔ اے عمر! میرا نام صرف جبار، تمہاری نہیں بلکہ ذوالمنن بھی ہے۔ میں ستار بھی ہوں۔ میں نے اس کی دعا سے شراب کو تازہ دودھ بنا دیا۔

اِدھر تو بوتل کی شراب دودھ بنی، اُدھر دل کا فسق وفجور، تقویٰ اور پرہیز گاری میں تبدیل ہو گیا۔ یہ ہیں اصحاب میمنہ۔

اور اگر میمنہ مشئمہ سے مراد داہنا اور بایاں ہو تو یا تو داہنے بائیں ہاتھ والے مراد ہیں یا داہنے بائیں سمت والے مراد ہیں۔ پہلی صورت کی تفسیر یہ ہوگی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کی تمام روحیں نکال کر مومنوں کو ان کی داہنی طرف اور کافروں کو ان کی بائیں طرف رکھا۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے معراج میں دیکھا کہ آپ بیت المعمور کی دیوار سے پشت لگائے بیٹھے ہیں۔ اور آپ کے داہنے بائیں کچھ روحیں ہیں۔ داہنی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اور بائیں کو دیکھ کر مغموم ہوتے ہیں۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا کہ داہنے ہاتھ جنتی لوگ ہیں۔ اور بائیں ہاتھ جہنمی۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے داہنے ہاتھ والی روحیں جنتی ہیں۔ اور ان کے بائیں ہاتھ والی روحیں جہنمی ہیں اس صورت میں داہنا بایاں پہلے ہو چکا۔

اس تفسیر پر دو فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ یہ کہ کوئی نیکی والا اپنے متعلق جنتی ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ یہ تو پہلے ہی طے ہو چکا ہے۔ نہ معلوم ہم

کس گروہ میں ہیں۔ اور ہمارے بارے میں کیا فیصلہ ہو چکا؟ رب تعالیٰ مہربانی اور کرم کرے لیکن اس داہنے اور بائیں کی علامت یہ ہے۔ کہ داہنے والے کو نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ اور بائیں ہاتھ والے کو برے عمل کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى۔

دوسرا فائدہ: یہ حاصل ہوا۔ کہ آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام، اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر شخص کے انجام سے باخبر ہیں کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی اور کون سعید ہے، اور کون شقی ہے۔ حالانکہ یہ علم علوم خمسہ میں سے ہے کیوں کہ ان حضرات علیہم الصلوات والسلام نے ان روحوں کی دونوں جماعتوں کو علیحدہ علیحدہ ملاحظہ فرمایا تو جو کہے کہ انھیں اپنے انجام کی خبر نہیں وہ اس آیت شریف پر نظر کرے: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بعض کے جنتی، دوزخی ہونے کی بشارتیں دے دی ہیں۔ بلکہ ان کے مراتب بتادیے کہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا جنتی بیبیوں کی سردار ہیں اور حسین وحسن رضی اللہ عنہما جوانانِ جنت کے سردار۔

یہ اس میمنہ ومشئمہ سے مراد ہے۔ عرش کی داہنی بائیں طرف والے یا قیامت میں داہنے اور بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال والے۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں فرمائے گا۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ اے کافرو تم مومنوں سے الگ ہوکر چھنٹ جاؤ۔ چنانچہ مومن عرش کے داہنے اور کافر عرش کے بائیں ہو جائیں گے۔ داہنی طرف جنت ہے۔ اور بائیں طرف دوزخ، لیکن ان مومنوں میں منافق بھی شامل ہو جائیں گے۔ پھر رب تعالیٰ ان میں چھانٹ فرمانے کے لیے اپنا قدم قدرت ظاہر فرمائے گا۔ اور حکم ہوگا کہ اس کو سجدہ کرو۔ مومنین مخلصین بے تکلف سجدہ میں گر جائیں گے اور منافقوں کی پیٹھ اکڑ جائے گی۔ جس سے وہ بجائے سجدے کے اوندھے منہ گر پڑیں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ۔ اس سجدے

سے منافق اور مخلص کی چھانٹ ہو جائے گی۔ پھر مومنوں کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے۔ اور کافروں کو بائیں ہاتھ میں اور فرمایا جائے گا: اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا. ہم تو تیرا حساب بعد میں لیں گے۔ پہلے تو خود اپنا اعمالنامہ پڑھ اور اپنا حساب کر لے۔

اب اس آیت کے معنی یہ ہوئے۔ کہ داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ والے مزے میں ہیں۔ اور بائیں والے مصیبت میں ہیں۔ یا عرش کے داہنے والے مزے میں ہیں اور بائیں طرف والے غضب میں ہیں۔

اس تفسیر سے تین فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ قیامت میں کوئی جاہل نہ ہوگا۔ سب عربی پڑھیں گے اور سمجھیں گے۔ کیوں کہ نامہ اعمال کی تحریر عربی زبان میں ہے۔ اور وہاں ہر عالم، جاہل، عربی، عجمی اسے پڑھ کر سمجھیں گے۔ دوسرے یہ کہ قیامت میں ہر شخص اپنی علامت سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ جہنمی ہے یا جنتی۔ کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ تو جو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت میں مومن و کافر کی پہچان نہ ہوگی۔ آپ مرتدین کو اپنا صحابی سمجھیں گے وہ اس آیت پر غور کریں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: يَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ. اور فرماتا ہے: يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ. یعنی مجرمین سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی اپنی علامت سے پہچانے جائیں گے۔

تیسرے یہ کہ اسلام میں داہنا بائیں سے افضل ہے۔ اسی لیے بایاں ہاتھ استنجا وغیرہ کے لیے ہے اور داہنا ہاتھ کھانے پینے کے لیے۔ مسجد میں پہلے داہنا پاؤں داخل کرو۔ پاخانہ میں پہلے بایاں، پہلے داہنے پاؤں میں جوتا پہنو۔ پہلے داہنی آنکھ میں سرمہ لگاؤ۔ غرض کہ ہر اچھے کام میں داہنے سے ابتداء ہے کیوں کہ قیامت میں جنتی لوگوں کا مقام داہنا ہے۔ جہنمی جماعت کا مقام بایاں مگر عیسائیوں کے

مذہب میں بایاں داہنے سے افضل ہے۔ ہمارے ہاں ہر شخص راستہ میں بائیں طرف چلتا ہے۔ مگر عرب شریف میں اپنے داہنے ہاتھ چلتا ہے۔ اسی طرح ان کے ہاں عورت مرد سے افضل ہے۔ مگر اسلام میں مرد عورت سے اعلیٰ ہے۔

اَلسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ۔ یہ لفظ سبقت سے بنا ہے۔ بمعنی آگے ہونا۔ مقدم ہونا، پہلے سابق سے دنیا میں اگلے مراد ہیں۔ دوسرے سے قیامت کے اگلے اور معنی یہ ہیں کہ جو دنیا میں آگے رہا۔ وہ جنت میں آگے جائے گا۔ دنیا میں آگے رہنے کی چند صورتیں ہیں:

اسلام میں آگے ہونا، ہجرت میں آگے ہونا، نیکی میں آگے ہونا۔ اسلام میں آگے ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ بعض لوگ حضور علیہ السلام کے اظہار نبوت سے پہلے حضور پر ایمان لے آئے۔ جیسے ورقہ بن نوفل، بی بی خدیجہ الکبریٰ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اور بعض وہ جماعتیں ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ایمان لے آئے۔ جیسے حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، علی مرتضیٰ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور بعض وہ لوگ ہیں جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے یہ سب لوگ ایمان میں سابقین ہیں۔ جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے وہ لاحقین ہیں۔ سابقین کا درجہ اس لیے زیادہ ہوا کہ ہجرت کے بعد انصار نے مہاجرین کو زمین، مال، اور باغ وغیرہ دیے۔ اور فتح مکہ کے بعد تو مسلمانوں کی بادشاہت ہی ہوگئی۔ لیکن ہجرت سے پہلے مسلمان بننے سے دنیاوی نقصان کے سوا کسی نفع کی امید نہ تھی۔ جو شخص اسلام لاتا وہ اپنے کو مصیبت میں ڈالتا تھا۔ کفار کی ایذائیں جھیلتا تھا۔ تو جس قدر اخلاص ان مومنین میں ہے۔ وہ بعد والوں میں ناممکن ہے۔ کیوں کہ یہ لوگ مصیبت کے ساتھی ہیں۔ اس لیے ان کا درجہ زیادہ ہے۔

حکایت: ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آپس میں کچھ شکر رنجی ہوگئی۔ بعد میں ان صاحبوں نے آپس میں صلح صفائی کر کے بارگاہ نبوی میں عرض کیا کہ ہم راضی ہوگئے ہیں۔ سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر ابوبکر کی رضا میں میری رضا ہے۔ کیوں کہ یہ میرا اس وقت کا ساتھی ہے۔ جب تم میرے خلاف تھے۔ معلوم ہوا کہ مصیبت کے ساتھیوں کا درجہ زیادہ ہے۔

ہجرت میں سبقت کے معنی یہ ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے جو ہجرت حبشہ وغیرہ کی طرف ہوئی۔ وہ ہجرت لاحقہ ہے۔ یعنی پہلی ہجرت۔ بعض وہ خوش نصیب ہیں۔ جنہوں نے سرکار سے پہلے حبشہ وغیرہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت کے بعد مدینہ پاک کی طرف ہجرت کی۔ یہ حضرات صاحب ہجرتین ہیں۔ جیسے کہ حضرت عمر فاروق اور دیگر خاص مہاجرین ان حضرات کا درجہ اعلیٰ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضور علیہ السلام سے پہلے ہجرت کر کے مکہ معظمہ سے نکل گئے۔ پھر رب تعالیٰ نے سبب ایسا بنا دیا کہ مکہ شریف میں واپس آئے۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی اور غار میں یار کی حفاظت کے لیے ناگ سے کٹوایا۔ اس کا ذکر قرآن شریف میں بہت عظمت سے ہوا۔ ان کا درجہ تو ہمارے خیال وگمان سے بالا ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ سابقین سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جنھیں دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنا نصیب ہوا۔ یعنی تبدیل قبلہ سے پہلے وہ ایمان لائے چونکہ ان کا ایمان بہت پرانا ہے لہٰذا ان کا درجہ بھی بہت زیادہ۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ سابقین سے مراد نیکی میں سبقت کرنے والے ہیں۔ پھر اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ نیکی کا ایجاد کرنے والا سابق ہے۔ اس نیکی پر عمل کرنے والے لاحق ہیں۔ تو سابق کا درجہ یقیناً بڑا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی فساد کے زمانہ میں میری سنت کو رائج کرے۔ اس کو سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ کیوں کہ شہید تو ایک بار زخم کھا کر مر جاتا ہے۔

اور یہ غریب عمر بھر مسلمانوں کے طعنے سنتا اور صبر کرتا ہے۔ آج کل جو کوئی داڑھی رکھنے کا رواج کر دے۔ سود کو روک دے۔ جماعت کی نماز قائم کر دے وہ ان شاء اللہ اس حدیث کی بشارت میں داخل ہے۔

اسی طرح جن بزرگوں نے محفل میلاد شریف، عرس، فاتحہ اور گیارہویں شریف ایجاد کیں۔ وہ بھی سابقین میں داخل ہیں کہ جب تک اس کار خیر پر عمل ہوگا۔ انھیں ثواب ملتا رہے گا۔

مسجد بنانے والا دینی کتب کی تصنیف کرنے والا، نیک اولاد چھوڑنے والا سب اس عمل میں داخل ہیں۔ کہ یہ لوگ نیکی کے موجد ہیں۔

صحابہ کرام خصوصاً ابو بکر صدیق اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس سابقین کے پورے پورے مصداق ہیں کہ صدیق اکبر نے قرآن پاک جمع فرما کر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت جاری کر کے اسلام میں بڑی نیکی رائج کر دی۔

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ نیکی میں پہل کرنے والے جنت میں آگے جائیں گے۔ یعنی جو شخص جب نیکی کا موقعہ دیکھے تو فوراً پہلے خود اس پر عمل کرے پھر اس کی دیکھا دیکھی دوسرے عمل کریں، وہ سابق ہے۔

اگر کسی جگہ چندہ ہو رہا ہے تو جو پہلے دے گا وہ سابق ہے۔ اور جو پھر دے گا۔ وہ لاحق ہے۔ ورنہ پہلے والے کا یقیناً زیادہ ہے۔

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ نیکی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے والے جنت میں آگے ہیں۔ یعنی نیکی کے موقعہ پر جو مسلمان کوشش کرے کہ میری نیکی اوروں سے بڑھ جائیں اور میں قیامت میں سب سے بڑھ چڑھ کر آؤں۔ تو یہ بھی سابقین میں داخل ہے۔

آج ہم لوگ کوٹھی، مال، موٹر کار، وغیرہ دنیاوی سامان میں ایک دوسرے سے بڑھنا چاہتے ہیں مگر صحابہ کرام کی نظر مال پر نہ تھی۔ اعمال پر تھی۔ ان کا ہر وقت آپس میں مقابلہ

ال میں رہتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ
ن سے آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ مگر نہ بڑھ سکتے تھے۔ یہ اسی آیت پر عمل تھا۔

اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ. کے یا تو یہ معنی ہیں کہ یہ سابقین دنیا میں بارگاہِ الٰہی میں مقرب
ہیں۔ مُقَرَّبُوْنَ. کے معنی ہیں قریب کیے ہوئے یعنی یہ قرب انھیں اپنی کوشش سے حاصل
نہیں ہوا۔ بلکہ رب تعالیٰ نے انھیں بخشا۔ کیوں کہ اعمال کی توفیق پھر قبولیت، رب تعالیٰ کی
طرف سے ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ لوگ مقرب ہوں گے۔ یعنی انھیں جنت الفردوس میں
جگہ دی جائے گی۔ جو عرش سے بالکل قریب ہے۔

وماعلینا الا البلاغ

☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ
مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ.

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات کچھ حصہ شب میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ جس کے اردگرد ہم نے برکتیں دی ہیں تاکہ ہم اس بندہ کو آسمانی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ بندہ بلا واسطہ اپنے رب کا کلام سننے والا ہے۔ اور اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والا ہے۔ یا وہ رب اپنے پاس بندے کو بلا کر اپنا کلام سنانے والا اور اپنا دیدار دکھانے والا ہے۔ یا رب اپنے بندے کو اپنے قرب خاص میں بلا کر اس بندے کی باتیں سننے والا اور اس قرب میں دیکھنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک خاص معجزے یعنی معراج کا ذکر فرما رہا ہے۔ معراج کی حکمتیں اور اس واقعہ کی تفصیل تو ہم دوسری جگہ بیان کر چکے ہیں۔ یہاں اور نوعیت سے اس آیت میں گفتگو کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قریباً تیں دفعہ معراج عطا فرمائی۔ جس میں ایک جسمانی تھی۔ جو بیداری کی حالت میں واقع ہوئی باقی روحانی تھیں۔ خواب میں ہوئیں۔

اس آیت کریمہ میں جسمانی معراج کا ذکر ہے۔ جو بیداری کی حالت میں ۲۷ ر رجب کو ہوئی۔ کیوں کہ اس میں فرمایا گیا۔ بِعَبْدِهٖ اپنے بندہ کو لے گیا۔ اور بندہ جسم و روح دونوں کا نام ہے۔ نیز خواب کی معراج میں کوئی اتنے بڑے معجزے کا ظہور نہیں ہے کہ جسے اس قدر اہتمام سے بیان کیا جائے۔ نیز اگر خواب

کی معراج ہوتی تو مشرکین عرب اس پر اتنا شور نہ مچاتے۔ کیوں کہ انسان خواب میں بڑی بڑی چیزیں دیکھ لیتا ہے۔ سننے والا اس کا انکار نہیں کرتا۔ مشرکین مکہ کا اتنا شور مچانا اور انکار کرنا اسی وجہ سے تھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جسمانی معراج کی انھیں خبر دی۔ اس جسمانی معراج کے تین حصے ہیں۔

ایک تو مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک۔ دوسرے بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک تیسرے سدرۃ المنتہیٰ سے عرش اعظم سے بھی وراء تک۔ پہلا حصہ عرش سے فرش تک ہے۔ دوسرا زمین سے آسمان تک، تیسرا حصہ آسمان سے لامکاں میں وہاں تک جہاں، یہاں، وہاں، کہاں، جہاں بھی ختم ہو گیا تھا۔

بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک معراج کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ولقد رآه نزلة أخرى عند سدرة المنتهى۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل کو دوسری بار سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا۔ ظاہر یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سدرہ پر پہنچ کر جبرائیل امین کو شرف ملاقات بخشا جیسے میں کہوں کہ میں نے چھت پر چاند دیکھا تو چھت پر میں خود موجود تھا۔

تیسری معراج سدرۃ المنتہیٰ سے لامکاں تک کی معراج کا ذکر اس آیت میں ہے:

ثم دنیٰ فتدلّی فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ۔ یعنی پھر وہ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریب ہوئے۔ پھر اور قریب ہوئے۔ یہاں تک کہ دو کمانوں کے قدر میں آ گئے۔ یا اس سے بھی زیادہ قریب، پھر وحی کی رب نے اپنے اس بندے کو جو وحی کی۔

ظاہر ہے کہ جب کسی سے دور رہ کر ملاقات کرنا ہو تو اس سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اور جب زیادہ قریب ہوتا ہے تو اسے اس طرح سے گلے لگاتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کی دو کمانیں بنا کر پھر ان کمانوں کو ملا کر دائرہ بنا کر اس دائرہ کے بیچ میں اپنے پیارے کو لے کر

پھراور زیادہ قریب کرتے ہیں کہ اسے اپنے سینہ سے لگا لیتے ہیں۔ جسے معانقہ کہتے ہیں: رحمت خداوندی نے اپنے قرب خاص میں اپنے حبیب کو آغوش رحمت میں اس طرح لیا کہ آگے بھی خدا کا نور، پیچھے بھی خدا کا نور، بیچ میں جناب مصطفیٰ کا ظہور۔ جلّ و علی: و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم۔ اس وقت رحمت خداوندی دائرہ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے مرکز تھے۔

پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اَو اَدنیٰ اس سے بھی زیادہ قرب عطا ہوا جس کا بیان ناممکن ہے۔

پھر کوہ طور پر جو موسیٰ کلیم اللہ صلوات اللہ علیہ وسلامہ سے پیام و کلام ہوا۔ وہ قرآن پاک میں اعلانیہ بیان کر دیا گیا۔ مگر اس قرب خاص میں جو اپنے حبیب سے خاص کلام ہوا۔ اس پر کسی کو مطلع نہ فرمایا۔ بلکہ یوں فرمادیا:

فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَا اَوْحیٰ۔ اپنے بندے کو جو بھی وحی کی۔ وہ کی۔

(۱) اس مذکورہ آیت میں ان تینوں معراجوں کو بیان فرمایا گیا چنانچہ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصیٰ۔ میں پہلی بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک کی معراج کا ذکر ہے۔ جیسا شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ کہ اٰیٰتِنَا سے مراد آسمانی نشانیاں ہیں۔ جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف آسمانوں پر ملاحظہ فرمائیں۔ پیغمبروں کی ملاقات، جنتی، دوزخی لوگوں کا ملاحظہ فرمانا، بیت المعمور کی سیر، جنت و دوزخ کا معائنہ فرمانا، غرض کہ ان تمام کا ذکر اس ایک جملہ میں فرمادیا گیا۔ اور اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْر۔ میں رب تعالیٰ کے قرب خاص، اس کا دیدار، اس کی سننا، اپنی سنانا، اسے بلاحجاب دیکھنا مذکور ہے۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات

تو عین ذات مے نگری در تبسمی

خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کروڑوں صفات ہیں مگر وہ تمام تین قسم کی ہیں:

(۱) بشری (۲) ملکی (۳) حقی

بشری صفات کا ذکر اس آیت میں ہے: قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔

ملکی صفات کا ذکر اس حدیث میں ہے: لی مع الله وقت لا يسعنى فيه ملك مقرّب و لا نبى مرسل۔

حقی صفات کا ذکر اس حدیث میں ہے: مَنْ رَاٰنِىْ فَقَدْ رَاَى الْحَقَّ۔ اسی لحاظ سے حضور علیہ السلام کو تین معراجیں ہوئیں۔ بیت المقدس تک بشری معراج ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ تک ملکی معراج اور سدرۃ المنتہیٰ سے لامکاں تک حقی معراج ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ بشر تمام مخلوقات کی صفات کاملہ کا جامع ہے۔ بشر میں جمادات، نباتات، حیوانات، فلکیات، عنصریات، ملک وجن وغیرہ تمام کی تمام کمالی صفات کو رب تعالیٰ نے جمع فرمادیا۔ یہ اکمل مخلوق ہے جیسے درخت میں دانہ، اور تمام بشری کمالات کا مجموعہ، حضرات انبیائے کرام کی ذات بابرکات ہے۔ اور تمام انبیائے کرام کی صفات کا مجموعہ ذات بابرکات جناب سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فبهداهم اقتده۔

اسی لیے بیت المقدس میں ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام کامل بشر حضرات انبیاء کے امام ہوئے۔ اور سارے مقتدی۔ تاکہ آپ کی اکملیت کا پتہ چلے کہ پیچھے آنے والا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تمام کامل بشر حضرات انبیاء کے امام ہیں۔ اور سارے اگلوں سے آگے ہیں۔ اور اِدھر سارے فرشتوں کے سردار حضرت جبرائیل امین کو سدرہ پر چھوڑ کر اس سے کہیں آگے تشریف لے گئے تاکہ معلوم ہو کہ یہ محبوب ملائکہ سے بھی آگے والے ہیں۔

لطیفہ: اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلی معراج یعنی بیت المقدس تک کے سفر کی ابتداء وانتہاء دونوں بیان فرمائیں کہ فرمایا کہ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَ اقصیٰ۔ اور آخری دو معراجوں کی انتہاء کا ذکر بھی نہیں۔ اور ابتداء کی تفصیل نہیں۔ حالانکہ وہ معراجیں زیادہ عجیب ہیں۔ تو چاہئے تھا کہ ان کی زیادہ تفصیل ارشاد ہوتی۔ مگر ہوا اس کے برعکس کہ دوسری معراج کا صرف اس قدر ذکر فرمایا: لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا۔ اور تیسری معراج کی طرف اس قدر اشارہ فرمایا کہ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ اس میں کیا راز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں زمین پر واقع ہیں۔ اور دونوں مقام اہل عرب کے دیکھے بھالے ہیں۔ اس لیے ان دونوں کا ذکر اہل عرب کے لیے فائدہ مند تھا۔ لیکن سدرہ اور لامکاں ان کے وہم وعقل سے وراء تھے۔ جہاں ان میں سے کوئی کبھی نہ گیا تھا۔ اس کا ذکر کرنا ان کے لیے بیکار ہی ہوتا۔ لہٰذا بیان نہ فرمایا گیا۔ جیسے کوئی آدمی ہم سے کہے کہ میں لندن میں فلاں محلّہ سے فلاں محلّہ اور فلاں نمبر کی بلڈنگ تک گیا۔ تو ہمارے لیے اس کا ذکر بیکار ہے۔ کہ ہم نے نہ ان محلوں کو کبھی دیکھا ہے۔ نہ سنا۔

نیز پہلی منزل معراج کی ابتداء وانتہاء بتانے میں اگلی دو معراجوں کی دلیل بھی دے دی گئی ہے۔ یعنی اے کفار عرب تمہارے نزدیک صرف ایک رات میں مکہ معظمہ سے مسجد الاقصیٰ جا کر لوٹ آنا عقلاً ناممکن ہے۔ اور ایسا تو ہو گیا۔ اگر تمہیں یقین نہ ہو تو اس محبوب سے مسجد اقصیٰ کی نشانیاں اور علامات پوچھ لو۔ اور اپنی دیکھی ہوئی نشانیوں کے موافق کر لو۔ جب یہ معجزہ ثابت ہو گیا تو سمجھ لو کہ دوسری دو معراجیں بھی صحیح ہیں۔ جو رب تعالیٰ اس معجزہ پر قادر ہے۔ وہ دوسرے پر ضرور قادر ہے۔ تو چونکہ یہ پہلی معراج دلیل تھی۔ اور دوسری دو معراجیں گویا دعویٰ اس لیے اس دلیل پر زیادہ زور دیا گیا۔ کیوں کہ دلیل پر ہی زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ دنیا میں دعویٰ پہلے ہوا کرتا ہے۔

ہے۔ اور دلیل بعد میں مگر رب تعالیٰ نے پہلے یہاں دلیل ذکر فرمائی پھر دعویٰ۔

چنانچہ کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیت المقدس کی بہت سی علامات امتحاناً پوچھیں۔ اور جب ساری نشانیاں حضور علیہ السلام نے صحیح بتا دیں تو پھر انہیں اگلی دو معراجوں کے انکار کی گنجائش ہی نہ رہی۔ بلکہ صرف ضد سے یہ ہی کہتے رہے کہ یہ معراج بھی ایک جادو ہے۔ اور بہت سے کفار نے ان نشانیوں کو دیکھ کر اگلی دو معراجوں کی تصدیق کی اور مسلمان ہو گئے۔

اس معراج میں دو معجزے اور بھی ظاہر ہوئے۔ ایک یہ کہ ہم اپنی زندگی میں پانی، ہوا، زمین اور غذا وغیرہ کے محتاج ہیں۔ مگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سب محتاج ہیں۔ حضور کسی کے حاجت مند نہیں۔ سوائے رب تعالیٰ کے کسی کی آپ کو ضرورت نہیں کیوں کہ کرہ نار سے آگے نہ ہوا ہے نہ پانی، نہ غذا، نہ زمین، غرض کوئی چیز نہیں۔ مگر پھر بھی اتنا بڑا سفر ایسے مقام میں فرمایا۔ اور زندگی بعینہ ویسے ہی قائم رہی۔ نہ کرہ آگ سے نقصان پہنچا، نہ کرہ زمہریر پر ٹھنڈک سے۔

نیز دل ایسی نازک چیز ہے کہ اس کو ذرا سی ٹھیس لگ جائے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر معراج میں ملائکہ نے دل نکالا، اسے شگاف دیا۔ اس میں سے ایک پارہ گوشت نکالا۔ مگر تکلیف بھی محسوس نہ فرمائی۔

وماعلینا الا البلاغ

☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

ترجمہ: اور وہ رب تمہارے ساتھ ہے۔ اور اللہ ان اعمال کو دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات عالیہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے پہلے اپنی سلطنت، اپنے علم کا ذکر تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم بندوں کے ساتھ ہیں۔ وہ جہاں بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں مختلف عنوان سے بہت جگہ فرمایا ہے۔ کہیں فرمایا:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ۔

ترجمہ: جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہوں۔ کہیں فرمایا:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔

ترجمہ: ہم شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔ کہیں فرمایا:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ۔

ترجمہ: اس مرنے والے سے بمقابلہ تمہارے ہم زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ مگر تم دیکھتے نہیں۔ کہیں فرمایا: وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔

ترجمہ: ہم اور ہمارے دلائل قدرت تمہاری جانوں میں ہیں۔ تو تم دیکھتے کیوں نہیں؟

اور یہاں فرمایا: وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ۔

ترجمہ: وہ رب تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ جہاں بھی ہو؟ غرض کہ عنوان مختلف ہیں۔ مضمون قریباً ایک ہے۔

اس آیت میں فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ تم جہاں ہو۔ لیکن ہم مکانی اور زمانی ہیں۔ رب تعالیٰ زمانہ اور مکان سے پاک ہے۔

بے زمانی کا زمانی سے اور لامکانی کا مکانی سے، لامحدود کا محدود سے ساتھ کیسا؟ نہ ہم

مکان اور زمان سے آزاد ہو سکیں۔ نہ وہ ان سے مقید ہو سکے۔ پھر ساتھ ہے تو کیوں کر؟

اس لیے علمائے کرام نے فرمایا کہ یہاں ذات کی معیت اور مکانی یا زمانی معیت مراد نہیں۔ بلکہ صفات کی معیت مراد ہے۔ یعنی رب تعالیٰ کی صفات تمہارے ساتھ ہیں۔ اس لیے اس معیت کی تین صورتیں ہیں۔ ایک عام معیت دوسرے مومنوں سے خاص معیت، تیسرے کافروں سے خاص معیت۔

رزاقیت، قدرت اور علم کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ ہر کافر و مومن، مخلص منافق بلکہ انسان اور غیر انسان سب کے ساتھ ہے۔ یعنی بندہ جہاں بھی رب تعالیٰ کی قدرت کے ماتحت ہے۔ رب تعالیٰ کے علم میں ہے۔ رب تعالیٰ اس کا وہاں ہی رزاق ہے۔ اس صورت میں مَعَكُمْ میں خطاب عام ہوگا۔ اور ہر بندہ اس کا مخاطب ہوگا۔ کیوں کہ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ سب کے ساتھ ہے۔ اور رحمت، مغفرت، فضل، و کرم، ستاری، غفاری کی شان سے رب تعالیٰ صرف مومنوں کے ساتھ ہے۔ کفار کے ساتھ نہیں۔ اس صورت میں یہ خطاب صرف مسلمانوں سے ہوگا۔ یعنی اے مومنو ہماری رحمت و کرم وغیرہ تمہارے ساتھ ہے۔ کافروں کے ساتھ نہیں۔ ان سے دور ہے خود فرماتا ہے:

إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رحمت بھلائی والوں سے قریب ہے!

اور عذاب، قہر، پکڑ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کافروں سے قریب ہے۔ یعنی اے کافرو! ہمارا قہر، عذاب اور پکڑ تمہارے قریب ہے۔ انشاء اللہ یہ چیزیں مومنوں سے دور ہیں۔ اسی لیے رب تعالیٰ مجرموں کو جلدی نہیں پکڑتا کہ اس کے بھاگ جانے کا خطرہ نہیں۔ رب سے بچ کر کہاں جائے گا۔ دنیاوی بادشاہ مجرم کو اس لیے جلد پکڑتے ہیں کہ مجرم بھاگ نہ جائے۔

اب رہی یہ تفصیل کہ اللہ تعالیٰ کب سے ساتھ ہے اور کہاں ساتھ ہے۔ ان دونوں باتوں کو اس آیت میں واضح فرمادیا۔ وَهُوَ مَعَكُمْ جملہ اسمیہ ہے۔ جس میں زمانہ کی پابندی

نہیں ہوگی۔ یعنی جب تم عالم ارواح میں تھے تو ہم تمہارے ساتھ تھے۔ جب تم باپ کی پشت اور ماں کے پیٹ میں پھر ماں کی گود میں آئے تو ہم تمہارے ساتھ رہے۔ اور جب تم قبر کے گوشہ اور محشر کے میدان، پھر پل صراط، پھر جنت یا دوزخ میں پہنچو گے۔ تب بھی تمہارے ساتھ رہیں گے۔ غرض کہ جب روح جسم کا ساتھ چھوڑ دی گی تب بھی ہم تمہارا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ کیوں کہ وَهُوَ مَعَكُمْ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔

اَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ میں یہ بتایا کہ تم کہیں ہو، کس حال میں ہو، ہم تمہارا ساتھ نہیں چھوڑتے، ماں، باپ، آل، اولاد، گھر میں ساتھ، باہر علیحدہ، باہر کے دوست کے ساتھ، گھر میں علیحدہ، پھر کبھی ایسی جگہ بھی آتی ہے۔ جہاں ہم اکیلے ہوں۔ قبر میں کوئی ساتھ نہیں۔ مگر وہ مہربان رب ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے۔ غرض کہ وَهُوَ مَعَكُمْ نے بہت ہی وضاحت سے رب تعالیٰ کا ساتھ ہونا بتایا۔

فائدے: اگر ہم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے پر حقیقی طور پر یقین ہو جائے تو تین بہت بڑے بڑے فائدے حاصل ہوں۔

(۱) ایک تو ہم کبھی گناہ نہ کریں۔ جب کسی حال میں گناہ کا خیال پیدا ہوا تو فوراً قرآن کی آواز پہنچے۔ کیا کرتا ہے؟ ارے کم بخت! رب تعالیٰ تیرے ساتھ ہے۔ تجھے دیکھ رہا ہے۔ فوراً گناہ کا ارادہ ہی ختم ہو جائیگا۔ اس آیت سے غفلت گناہ کا سبب ہے۔ لہٰذا یہ آیت تقویٰ کی اصل ہے۔ جب دنیاوی حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر خلاف قانون کوئی کام ہم نہیں کرتے۔ تو احکم الحاکمین کے سامنے پہنچ کر کیسے کریں۔ مگر غفلت کراتی ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ هُوَ مَعَكُمْ پر ہمارا دھیان رہے۔ تو عبادات میں ایسا لطف آئے کہ ہم دنیا و مافیہا سے غافل ہو جائیں۔ عاشق محبوب کے سامنے پہنچ کر غیر سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ تو بندہ رب تعالیٰ کے سامنے پہنچ کر کیوں نہ فنا ہو جائے۔ اسی لیے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عبادت ایسی کرو۔ کہ گویا رب تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ

یال پختہ کرلو۔ اور پھر کہو: رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا۔ الآیۃ۔ دیکھو پھر کیا لطف آتا ہے۔ لہٰذا یہ
یت تصوف اور خشوع وخضوع کی اصل ہے۔ جب عبادت میں حضور نصیب ہو جائے۔ تو
پھر کون سا درجہ ہے۔ جو ہم کو حاصل نہ ہو۔ مگر غفلت اس سے بھی روکتی ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ اگر هُوَ مَعَكُمْ پر نگاہ رہے تو ہم دنیاوی کسی مشکل میں پھنس کر
گھبرا نہیں سکتے۔ جب مشکلات کا ہجوم ہو آفات گھیرے ہوئے ہوں دل بیٹھا جاتا ہو۔
چانک قرآن پکارے کہ گھبرانا مت! رب تیرے ساتھ ہے۔ پھر نہ گھبراہٹ رہے نہ غم۔

اگر کسی گھر میں چور گھس آئیں اور گھر والا اکیلا ہو تو گھبرا جائے گا۔ لیکن اس
حالت میں اگر کوئی آس پڑوس والا پکارے تو گھبرانا مت، ہم آئے، تو چور کے
پاؤں اکھڑ جائیں گے اور مالک کو سکون نصیب ہوگا۔

جب بندے کی آواز سے اکیلے کی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ تو رب تعالیٰ کے فرمان پر
کہ اے بندے گھبرانا مت! میں تیرے ساتھ ہوں۔ ہماری ڈھارس کیوں نہ بندھے گی۔

لہٰذا یہ آیت شجاعت، بہادری، صبر، استقامت کی اصل ہے۔ لیکن اس سے غافل ہو کر
ہم گھبرا بھی جاتے ہیں۔ اور بزدل بھی ہو جاتے ہیں۔

حکایت: حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور چھ ماہ کے بچے اسمٰعیل علیہ
السلام کو بے آب ودانہ جنگل میں چھوڑ کر چلے۔ تو حضرت ہاجرہ نے پوچھا۔ کہ اس لق ودق
بیاباں میں ہم کو کس پر چھوڑتے ہو؟ اشارہ سے کہا کہ اسی ایک اللہ تعالیٰ پر، تو آپ نے پوچھا
کہ رب تعالیٰ نے ہمیں چھڑوایا ہے؟ سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں۔ تو نہایت مطمئن ہو کر
بولیں کہ اب کچھ پرواہ نہیں وہ میرے ساتھ ہے۔ ہمیں ضائع نہ کرے گا۔

دیکھو پھر اسی جنگل میں رب تعالیٰ نے مکہ شریف آباد فرما کر دنیا کو وہاں پہنچا دیا۔ یہ
ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ کا کرشمہ۔

حکایت: حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو حکم ہوا کہ فرعون کے پاس جا کر تبلیغ

کرو۔ انھوں نے عرض کیا ہم کو خوف ہے کہ وہ ہم پر ظلم کرے گا۔ کیوں کہ ہم دو ہیں، وہ بہت ہیں۔ اور قوی ہیں فرمایا: لَا تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَکُمَا۔ تم ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ فرمان سننا تھا کہ ہمت بندھ گئی اور آخر یہ دونوں بھائی اس کی ساری خدائی پر غالب آ گئے۔ یہ ہے وَھُوَ مَعَکُمْ کی بہار۔

حکایت: موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر چلے اور بحر قلزم کے قریب پہنچے۔ تو پیچھے فرعون کئی لاکھ لشکر لے کر پہنچ گیا۔ بنی اسرائیل بولے کہ ہم تو گئے۔ آگے سمندر ہے پیچھے فرعون، نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ کلیم اللہ نے فرمایا: کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ۔ ترجمہ: ہم ہرگز نہیں ہلاک ہو سکتے۔ کیوں کہ میرے ساتھ میرا رب ہے۔ جس کے ساتھ رب ہو اسے کون ہلاک کرے۔

محال است چوں دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گزا رد ترا

حکایت: جب شہنشاہ دو جہاں تخت نشین لامکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غار ثور میں یار کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔ ہجرت ہے اور کفار وہاں غار تک پہنچ گئے۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت ہی بے قراری سے عرض کرنے لگے کہ اب کیا کریں۔ دشمن سر پر آ گیا۔ کہ اگر وہ اپنے پاؤں کو دیکھے تو ہم کو دیکھ لے۔ تو سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت بے پروائی سے فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ ترجمہ: ڈرو مت اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

اس فرمان پر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ سکونِ قلب نصیب ہوا۔ کہ سبحان اللہ یہ ہے: وَھُوَ مَعَکُمْ کی کارگیری۔

اے رب تیرے کرم کے قربان! کہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے سخت دشمن کے شر سے مکڑی کے کمزور جالے کے ذریعہ سے بچا لیا۔ وہ فیل کو ابابیل سے ہلاک فرماتا ہے۔

غرض کہ یہ آیت کریمہ تقویٰ، طہارت، تصوف اور شجاعت سب کی جڑ ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ اپنے قرب خاص اور معیت خصوصی کے باعث ہم سے چھپ گیا۔ کیوں کہ آنکھ جیسے بہت دور کی چیز کو نہیں دیکھ سکتی۔ ایسے ہی بہت قریب کی چیز کو دیکھنے سے مجبور ہے۔ روح نظر بلکہ خود آنکھ کو اس آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ کیوں کہ یہ قریب ہیں۔ اگر اس آنکھ سے خود آنکھ کو دیکھنا ہو۔ تو کوئی آئینہ سامنے رکھو۔ جس میں آنکھ کا نقشہ کھنچے وہ نقشہ چونکہ زیادہ قریب نہیں لہذا نظر آ جائے گا۔

اسی طرح اگر رب تعالیٰ کا جمال دیکھنا ہو تو زیادہ قرب کی وجہ سے نظر نہ آ سکے گا اسے رخسار مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آئینہ میں دیکھو ان کا رخسار آئینہ جمال یار ہے بلکہ حضور علیہ السلام کی ذات خود خالق مخلوق بلکہ ہمارے اپنے نفس کا آئینہ ہے ؎

گفت من آئینہ دوست

ترکی ہندی بہ بیند آنچہ اوست

نیز رب تعالیٰ کا زیادہ قرب اس سے دوری کا باعث ہو گیا۔ دور کی چیز کا ڈھونڈھنا آسان ہے مگر اپنی تلاش مشکل ہے۔

حکایت: کسی سرائے میں ایک جوہری ٹھہرا ہوا تھا۔ جس کے پاس اعلیٰ اور بیش قیمت موتی تھے۔ لیکن ایک ہیرا نہایت ہی قیمتی ڈبیہ میں تھا۔ جسے وہ ہر وقت جیب میں رکھتا تھا۔ وہاں کوئی چور بھی ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے یہ ہیرا تاڑا، اور اس جوہری سے محبت پیدا کر کے سفر میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ مگر چاہتا تھا کہ یہ ہیرا چرائے۔

کسی دوسرے شہر کی سرائے میں پہنچے۔ ایک ہی کمرہ کرایہ پر لیا۔ سوتے وقت جوہری اور چور نے جب اپنے اپنے کپڑے اتار کر کھونٹی میں ٹانگے۔ تو جوہری نے چپکے سے وہ ہیرے کی ڈبیہ چور کی قمیض کی جیب میں ڈال دی۔ رات کو چور بری نیت سے اٹھا۔ اور جوہری کا تمام سامان ٹٹولا۔ مگر ڈبیہ نہ پائی۔ مایوس ہو کر سو رہا۔ سمجھا کہ وہ ڈبیہ کہیں گر گئی۔ صبح ہوتے ہی

جوہری نے ڈبیہ اس کی جیب سے نکال کر اپنی جیب میں ڈال لی۔ چور نے پوچھا۔ سیٹھ صاحب! وہ ڈبیہ کہاں ہے؟ اس نے جیب سے نکال کر دکھا دی۔ کہ یہ ہے چور حیران رہ گیا۔

کئی رات تک یہ معاملہ رہا کہ چور رات کو سیٹھ کے سامان میں ڈبیہ ڈھونڈتا مگر نہ پاتا۔ اور صبح کو سیٹھ سے پوچھتا وہ نکال کر دکھا دیتا۔

آخر تنگ آ کر ایک روز سیٹھ سے کہا کہ اے استاد! میں چور ہوں تیرے ساتھ اس ڈبیہ کی تاک میں رہا۔ کئی راتیں ہر چند تلاش کی مگر نہ پائی۔ میں چوری میں کامل تھا مگر تو حفاظت میں میرا استاد نکلا۔ یہ بتا دے کہ تو روزانہ رات کو یہ ڈبیہ کہاں رکھتا ہے؟

جوہری نے پوچھا کہ بتا تو کہاں ڈھونڈتا ہے؟

چور بولا کہ تیرے سامان میں، جوہری نے کہا وہ ڈبیہ تیری جیب میں ہوتی تھی۔ تو میرے سامان میں ڈھونڈتا رہا۔ اپنے میں تلاش نہ کیا اگر اپنے میں تلاش کرتا۔ تو ہیرا ضرور پالیتا۔

جمال یار ہمارے اندر ہے۔ مگر ڈھونڈتے اور جگہ ہیں۔

اگر رب تعالیٰ کی تلاش ہے تو اپنے کو ڈھونڈو۔

لیکن یہ خیال رہے کہ اپنے کو خود نہیں تلاش کیا جا سکتا۔ جب تک کہ دوسرا تلاش کر کے نہ بتائے۔

ہماری بیماریاں خود ہم میں ہوتی ہیں۔ مگر حکیم ہماری نبض دیکھ کر بیماریاں ہم کو ہی بتاتا ہے۔ اپنی ذات وصفات کو معلوم کرنے میں دوسرے کے محتاج ہیں۔ ظاہری حکیم ہماری ظاہری بیماری وتندرستی دکھاتے ہیں۔ باطنی حکیم ہمارے باطنی احوال پر ہم کو مطلع کرتے ہیں۔

اعتراض: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر جگہ رب تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اور ہم تو نجس وپلید ہر جگہ ہوتے ہیں۔ اور اچھے برے ہر طرح کے کام کرتے ہیں۔ ان مقامات اور ان حالات میں رب تعالیٰ کا ہونا اس کی شان کے خلاف ہے۔

جواب: ہم بتا چکے ہیں کہ رب تعالیٰ کی معیت ذاتی نہیں صفاتی ہے۔ کیوں

کہ ہم بندے زمانی اور مکانی ہیں۔ وہ ان حدود سے پاک ہے۔ تو محدود لامحدود کی ہمراہی ناممکن ہے۔ ہاں اس کا علم قدرت، رزاقیت ہر جگہ ہے۔ اور گندے مقامات میں ہونا اس کی علم و قدرت کے لیے مضر نہیں۔ سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی ہماری نگاہ کا نور ہر جگہ پڑتے ہیں۔ مگر کیا یہ گندے ہو جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح رب تعالیٰ کا علم ہر جگہ ہے۔ مگر کسی جگہ کا اثر نہیں لیتا۔

اعتراض: جب اللہ تعالیٰ ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے۔ تو اسے غائب کے صیغے سے کیوں یاد کرتے ہو؟ غائب کا صیغہ دور کے لیے ہے۔ پاس موجود کے لیے حاضر کے صیغے ہیں۔ خود اس آیت میں ہے وَهُوَ مَعَكُمْ وہ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ جب ساتھ ہے۔ تو وہ کیسا؟

جواب: وہ تو ہر جگہ ہمارے ساتھ حاضر ہے۔ مگر ہم اس سے دور ہیں۔ اپنی دوری کے لحاظ سے اُسے وہ کہتے ہیں۔ اور اس کی نزدیکی کے لحاظ سے اسے تو کہتے ہیں۔

یار نزدیک تر از من بمن است

ویں عجب کہ من از وے دورم

اعتراض: جب رب تعالیٰ ہر وقت بندے کے ساتھ ہے تو اسے آواز سے کیوں پکارتے ہو؟ آہستہ پکارا کرو۔ چیخ کر اسے پکارا جاتا ہے جو دور ہو؟

جواب: بلند آواز سے پکارنا اس کو سنانے کے لیے نہیں بلکہ خود اپنا دل جگانے اور در و دیوار کو گواہ بنانے، شیطان کو بھگانے اور سوتوں کو جگانے کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے اذان، تکبیرات، عیدین، اونچی آواز سے کہے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہیں۔ مگر وہاں لوگوں کو اطلاع دینا منظور ہے۔ نہ کہ رب کو سنانا۔

نعت شریف: جیسے رب تعالیٰ نے اپنی دیگر صفات کا مظہر اپنے بندوں کو بنایا ہے۔ اسی طرح ہر جگہ ہر ایک کے ساتھ ہونا خدا کی صفت ہے۔ مگر بعض بندوں میں بھی اس کی جلوہ گری ہے۔ دیکھو سورج کی روشنی اور ہوا ہر جگہ ہمارے ساتھ ہیں۔ ملک الموت ہر

جگہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ اور شیطان ہر جگہ ہم سب پر نظر رکھتا ہے۔ اور ہمارے حالات کی خبر رکھتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ۔
اسی طرح جناب پاک مصطفیٰ، ان کی رحمت، ان کی نگاہ کرم ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے۔
رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔
ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کاروں کے قریب ہے۔
پھر فرماتا ہے: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ ترجمہ: ہم نے آپ کو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ پتہ لگا کہ حضور علیہ السلام رب تعالیٰ کی رحمت ہیں۔ اور رحمت تو ہر جگہ موجود ہے۔ نتیجہ نکلا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ ہیں۔ یہ ہے ظہور وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ کا۔
فرماتا ہے: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں سے ان کی جان سے زیادہ قریب ہیں۔ اور جان تو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ لہٰذا جو جان سے زیادہ قریب ہیں وہ بھی ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں۔
فرماتا ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ ترجمہ: بے شک تم سب کے پاس یہ رسول تشریف لائے۔ جو ان کی جانوں کی جنس سے ہیں۔ تو جس طرح جان ہر وقت ساتھ ہے۔ ایسے ہی وہ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر آن ہمارے ساتھ ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ۔ تمہارا مشقت میں پڑنا انھیں بھاری ہے۔ اگر وہ ہمارے ساتھ نہیں تو انھیں دکھ درد کی خبر کیسے ہے۔ اگر خبر نہیں تو انھیں بھاری کیوں ہے؟
یعقوب علیہ السلام بظاہر کنعان میں تھے اور یوسف علیہ السلام مصر کی مقفل کوٹھری میں زلیخا کے پاس۔ مگر دیکھا کہ ابا جان! وہاں سامنے موجود ہیں۔ اور منع فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہر وقت ساتھ ہیں۔ وما علینا الا البلاغ

"ختم شد"

F.B.D.
FAROOQIA BOOK DEPOT

FAROOQIA BOOK DEPOT

422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi - 110006
Ph.: (011) 23266053, 23267199, Fax.: 23266053
Email : farooqiabookdepot@gmail.com
farooqiabookdepot@yahoo.com